OPEN ACCESS: Al Khadim Research Journal of Islamic Culture and Civilization
ISSN (ONLINE): 2710-0235 & ISSN (PRINT): 2710-0227
https://www.arjicc.com

ڈاکٹر فرمان فتح پوری، حیات وادبی خدمات

Dr. Farman Fathepuri, Life and Literary Services

Prof. Dr. Meher Muhammad Ejaz Sabir
Professor/ Principal, Balochistan Residential College Khuzdar, Pakistan.

Received on: 06-07-2024 Accepted on: 12-08-2024

Abstract

Dr Farman Fathepuri (1926-2013) was a prominent research Scholar and Urdu Prose Writer. He is very well known in all over the world, where Urdu is spoken. He spent his life for the promotion of Urdu language and literature as a researcher, critic, linguist and a teacher of Urdu. He was familiar to the importance of Urdu literature and did the Scholarly work for the progress of Urdu language and literature. He left about sixty-two books on his credit. This paper presents his life and literary services rendered by him.

Keywords: Dr. Farman Fathempuri, Research Scholar, Urdu Writer

ڈاکٹر فرمان فتح پوری [سیّد دلدار علی] کا آبائی مسکن ہندوستان کی ریاست ''اُتر پردیش'' کے انتظامی ڈویژن ''الٰہ آباد'' کے ضلع ''فتح پور ،ہسوہ'' کی تحصیل ''کھاگا'' کا ایک موضع ''گنہ ہنگام'' ہے۔ اس گاؤں کی زیادہ تر آبادی سیّد گھرانوں پر مشتمل ہونے کی بنا پر گاؤں کو ''ہیبت پور سادات'' کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ [۱] ''ہیبت پور'' سے چند میل کی مسافت پر دریائے گنگا کے دوسری جانب الٰہ آباد کے دو اضلاع ''پرتاب گڑھ'' اور ''رائے بریلی'' میں سے پرتاب گڑھ کے ''پیرانگر'' اور ''سلون شریف'' نامی قصبات میں آباد سادات اور ہیبت پور کے سادات کے آباواجداد کا تعلق ایک ہی پشت سے تھا، جو مغلوں کے ابتدائی دَور میں بخارا سے ہجرت کر کے دہلی کی طرف آئے تھے۔ ان کے بارے میں تفصیلات ''تاریخ اودھ'' اور ان علاقوں کی دوسری تاریخی دستاویزات اور گزیٹیرز میں ملتی ہیں۔ [۲] سادات کی ان اولادوں میں سے شاہ نعیم عطا، شہنشاہ عالم اور ہیبت اللہ شاہ کو فوج کے لیے خدمات سرانجام دینے پر مغلیہ دَور میں جاگیریں ملیں۔ ہیبت اللہ شاہ کو، جو جاگیر ملی، وہ اُن کے نام کی نسبت سے ہیبت پور کے نام سے آباد ہوئی۔ [۳] شہنشاہ عالم کو پیرانگر میں جاگیر ملی اور وہ وہاں آباد ہوئے۔ بعد میں اُن کے بیٹے اور گدّی نشین شاہ غلام رسول پیرانگر سے ہیبت پور منتقل ہو گئے۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے شہنشاہ عالم کو اپنے خاندان کا مورثِ اعلیٰ قرار دیا ہے۔ [۴] اور اپنا خاندانی شجرۂ نسب اس طرح بیان کیا ہے۔ [۵]

مورث اعلیٰ

سیّد شاہ عالم

/

سیّد شاہ غلام رسول

/

سیّد زید علی سیّد الٰہی بخش سیّد احمد علی

/

سیّد اشرف علی

/

سیّد حسن علی سیّد رجب علی

/

سیّد اصغر علی سیّد اکبر علی سیّد عمر علی

/

سیّد عابد علی سیّد باسط علی سیّد صادق علی سیّد عاشق علی

/

سیّد دلدار علی (فرمان فتح پوری) سیّد شمشاد علی سیّدہ خاتون طیبہ خاتون

اس شجرۂ نسب کے مندرجات کو دُرست تسلیم کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ اوّل یہ کہ اسے خود ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے ترتیب دیا ہے، جو تحقیقی طبیعت کے مالک تھے اور دوم یہ کہ سیّد شاہ عالم کے فرزند شاہ غلام رسول کے تین بیٹوں سیّد زید علی، سیّد الٰہی بخش اور سیّد احمد علی کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر فرمان نے لکھا ہے کہ سیّد زید علی کے ایک بیٹے سرور علی کو اُنھوں نے دیکھا ہے اور سیّد الٰہی بخش کے ایک پوتے صدیق حسن، جو ڈاکٹر فرمان کے والد سے عمر میں چند برس چھوٹے تھے، کو نہ صرف دیکھا بلکہ اُن سے اُنھیں بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔[6] یہ شجرۂ نسب ڈاکٹر سلیم اختر (پ: ۱۱ مارچ ۱۹۳۴ء) نے بھی نقل کیا ہے۔[7]

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے والد کا نام سیّد عاشق علی (متوفی ۱۹۳۳ء)، بن سیّد عمر علی تھا۔ وہ اُردو، فارسی اور ہندی زبانوں میں ماہر تھے۔ فارسی سے خاص شغف تھا اور فارسی نثر و نظم کے بہت سے اجزا اُنھیں زبانی یاد تھے۔[8] محکمہ پولیس سے سب انسپکٹر کے عہدے سے سبکدوش ہوئے اور ۱۹۳۳ء میں باسٹھ تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔[9] اُن کی پہلی بیوی جلد فوت ہو گئی تھیں، اُن سے کوئی اولاد نہ تھی۔ اُن کی دوسری شادی سیّدہ عزیز النساء سے ہوئی۔[10] اُن سے اُنھیں چار اولادیں ہوئیں، جن میں دو بیٹے سیّد دلدار علی اور سیّد شمشاد علی اور دو بیٹیاں سیّدہ خاتون اور طیبہ خاتون تھیں۔ ڈاکٹر فرمان بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ اُن کا نام دلدار علی رکھا گیا۔ سیّد الذات ہونے کی وجہ سے

مکمل نام سیّد دلدار علی تھا۔ بعد میں سیّد دلدار علی فرمان اوراس کے بعد سیّد دلدار علی فرمان فتح پوری اور بالآخر ادبی دنیا میں فرمان فتح پوری کے نام سے مشہور ہوئے۔ ۱۹۶۴ء میں ڈاکٹریٹ کرنے کے بعد علمی وادبی حلقوں میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے نام سے لکھے اور پکارے جانے لگے۔ فتح پوری اُن کے آبائی وطن کی طرف نسبت ہے، جب کہ قلمی نام فرمان اُنھوں نے اپنے چچازاد بھائی سیّد فرمان علی کی ۱۹۳۸ء میں اچانک وفات کے بعد اختیار کیا، جن سے اُنھیں کافی اُنسیت تھی۔ دونوں ہم جماعت ہونے کے ساتھ عزیز ترین دوست بھی تھے اور ایک ساتھ اسکول جایا کرتے تھے۔ ۱۱

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی تاریخ پیدائش ۲۶، جنوری ۱۹۲۶ء لکھی جاتی ہے۔ وہ اپنی تاریخ پیدائش کی بابت خود لکھتے ہیں کہ اُنھیں اپنے والدین اور عزیز واقارب کے بیانات سے علم ہوا کہ وہ ۲۶، جنوری ۱۹۲۶ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۲ یہی تاریخ پیدائش اُن کی اسناد پر بھی درج ہے۔ ۱۳ چوں کہ ڈاکٹر فرمان کو ۱۹۳۳ء میں اُن کے والد کی وفات کے بعد سات برس کی عمر میں اسکول میں داخل کرایا گیا تھا، اس لیے امکان غالب ہے کہ اُن کا سن پیدائش یہی ہے۔ ڈاکٹر فرمان کی جائے پیدائش فتح پور ہسوہ ہے۔ خان ظفر افغانی سے ایک ملاقات میں اپنی ابتدائی زندگی کے بارے میں بات چیت کرتے ہوئے ڈاکٹر فرمان نے اپنی جائے پیدائش فتح پور بتائی۔ ۱۴ ڈاکٹر طاہر تونسوی نے بھی جائے ولادت فتح پور، ہسوہ، یوپی ہندوستان لکھی ہے۔ ۱۵ سیّد محمد اصغر کاظمی نے بھی یہی لکھا ہے کہ وہ فتح پور (ہسوہ) میں پیدا ہوئے۔ ۱۶ ڈاکٹر سلیم اختر نے بھی جائے ولادت فتح پور (ہسوہ) یوپی ہندوستان لکھی ہے۔ ۱۷

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے ناظرۂ قرآن، فارسی کی ابتدائی کتابیں مثل مصدر نامہ، گلستاں، بوستاں اور دستور الصبیان وغیرہ اپنے والد اور چچا سے گھر پر پڑھیں۔ ۱۸ مدرسہ اسلامیہ فتح پور کے مولوی محمد اسحاق سے عربی اور مولوی سیّد عبدالوحید سے فارسی پڑھی۔ آبائی گاؤں کے پنڈت مہا بیر پرشاد سے ہندی زبان وادب کے ساتھ تلسی داس کی رامائن کا درس لیا۔ ۱۹ چار پانچ سال کی عمر سے اُن کے والد اُنھیں قرآنی آیات یاد کرانے لگے تھے۔ سات سال کی عمر میں چودہ پارے حفظ کیے تھے کہ اُن کے والد اس جہان فانی سے کوچ کر گئے اور اس طرح حفظ قرآن کا سلسلہ رک گیا۔ ۲۰ والد کی وفات کے بعد ۱۹۳۳ء میں اپنے ایک قریبی عزیز، پرائمری اسکول کے ہیڈ ماسٹر، مولوی عبدالرشید کی حوصلہ افزائی پر پرائمری اسکول میں داخلہ لیا۔ ۲۱ اُن کے پسندیدہ مضامین اُردو اور ریاضی تھے۔ خود لکھتے ہیں کہ: ''اُردو اور ریاضی میرے پسندیدہ مضامین رہے۔ ہمارے خاندان کے بیش تر افراد ریاضی داں کہلاتے تھے۔ ریاضی کے پرچے میں دس میں سے پانچ سوال کرنے ہوتے تھے مگر میں دس کے دس حل کرتا تھا اور اوپر لکھ دیتا تھا کہ کوئی سے پانچ سوال دیکھ لیجیے۔'' ۲۲ ریاضی کے سخت سے سخت امتحان میں بھی سو فیصد نمبر حاصل کرتے، جس کی بنا پر اُن کی امتحان میں پوزیشن آیا کرتی تھی۔ ۲۳ پرائمری کے سالانہ امتحان میں پورے مرکز میں اوّل قرار پائے۔ ضلع کی بنیاد پر ہونے والے وظیفے کے امتحان میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ کسی مسلمان طالب علم نے ایک عرصے بعد امتحان میں اس طرح کی امتیازی کامیابی حاصل کی تھی، اس لیے اُن کی کامیابی پر باقاعدہ جشن منایا گیا۔ ۲۴ پرائمری کا امتحان پاس کرنے کے بعد اُنھیں کسی مڈل اسکول میں داخلہ لینا تھا، چوں کہ کوئی بھی مڈل اسکول اُن کے گھر کے قریب نہ تھا، اس لیے اُنھوں نے اپنے گاؤں سے چھ میل کے فاصلے پر واقع قصبہ

"ایرایاں" کے مڈل اسکول میں داخلہ لیا۔اس قصبے میں ننھیال ہونے کے باوجود اُنھوں نے اسکول کے ہاسٹل میں رہنا پسند کیا۔ یہاں سے اُنھوں نے مڈل کا امتحان پہلی پوزیشن میں پاس کیا اور ضلع بھر میں اوّل قرار پائے۔اسکول کو سالوں بعد یہ اعزاز حاصل ہوا کہ اُس کے کسی طالب علم نے ضلع بھر کے امتحان میں پہلے درجے میں کامیابی حاصل کی۔ ۲۵ وہ مڈل اسکول ایرایاں میں ہونے والے مشاعروں کی بنیاد رکھنے والوں میں سے تھے۔ اُنھوں نے ان مشاعروں میں اپنی غزلیں بھی پیش کیں اور اس طرح اُن کا شمار شاعروں میں ہونے لگا۔ ۲۶ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کو مڈل کے امتحان میں ضلع بھر میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے کے بعد ضلع فتح پور کے تینوں ہائی اسکولوں میں سے کسی بھی اسکول میں داخلہ مل سکتا تھا، لیکن اُنھوں نے مدرسہ اسلامیہ فتح پور کی انگریزی شاخ مسلم ہائی اسکول میں داخلہ لیا۔اس اسکول کی بنیاد مولانا سیّد ظہور الاسلام نے ۱۸۸۲ء میں ایک عربی مدرسے کے طور پر رکھی تھی۔ ۲۷ بعد میں اس مدرسے میں انگریزی تعلیم کا آغاز بھی کر دیا گیا اور یہ مدرسہ دو مستقل شاخوں کے طور پر کام کرنے لگا۔ایک اسلامیہ شاخ اور دوسری انگریزی شاخ۔ مدرسے کی یہ دونوں شاخیں ایک ہی احاطے میں قائم تھیں اور ایک ہی عمارت میں کام کرتی تھیں، لیکن اپنے تعلیمی نظم و نسق اور نتائج کی وجہ سے خاص شہرت کی حامل تھیں۔ اس درس گاہ سے جن اصحاب نے تعلیم و تربیت پا کر شہرت اور کامیابی حاصل کی، اُن میں مولانا حسرت موہانی، علامہ نیاز فتح پوری، مولانا حسن الدین خاموش، مولانا بدیع الزماں خاں اور مولانا نور محمد شامل ہیں۔ڈاکٹر فرمان اس درس گاہ سے تعلیم حاصل کرنے کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اُنھوں نے مسلم ہائی اسکول فتح پور میں رہ کر، جو کچھ حاصل کیا اُسے بیان کرنا مشکل ہے اور یہ کہ اُن کے علمی وادبی ذوق و شوق نے یہیں پرورش پائی۔اُردو کے نام ور ادیبوں، شاعروں اور تحریک آزادی کے ممتاز سیاسی رہنماؤں کو پہلے پہل یہیں دیکھنے اور سُننے کا موقع ملا۔ مولوی عبدالحق (۱۸۷۰ء۔۱۹۶۱ء)، مولانا حسرت موہانی (۱۸۸۱ء۔۱۹۵۱ء)، علامہ نیاز فتح پوری (۱۸۸۴ء۔۱۹۶۶ء)، فراق گورکھپوری (۱۸۹۶ء۔ ۱۹۸۲ء)، ماہر القادری (۱۹۰۷ء۔۱۹۷۸ء)، شاعر لکھنوی (۱۸۹۰ء۔۱۹۵۷ء)، حفیظ جالندھری (۱۹۰۰ء۔ ۱۹۸۲ء)، احسان دانش (۱۹۱۴ء۔ ۱۹۸۲ء)، اثر لکھنوی (۱۸۸۵ء۔۱۹۶۷ء)، جگر مراد آبادی (۱۸۹۰ء۔ ۱۹۶۰ء)، جوش ملیح آبادی (۱۸۹۸ء۔ ۱۹۸۲ء)، روش صدیقی (۱۹۰۹ء ۔۱۹۷۱ء)، نوح ناروی (۱۸۷۹ء۔ ۱۹۶۲ء) اور مجروح سلطان پوری (۱۹۱۹ء۔ ۲۰۰۰ء) جیسی شخصیتوں سے نیاز مندی کی صورتیں اسی درس گاہ میں پیدا ہوئیں۔ ۲۸

مسلم ہائی اسکول میں ہونے والی تقریبات میں مولانا حسرت موہانی، مولانا عبدالوحید، مولانا حسن الدین خاموش، مولانا بدیع الزماں، عارف ہسوی اور مولوی عبد الحٰہ جیسی علمی و ادبی شخصیات شرکت کیا کرتی تھیں، جس کی وجہ سے وہاں علم وادب کا ایک خاص ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ ۲۸ مسلم ہائی اسکول کا ادبی ماحول ڈاکٹر فرمان کے ادبی ذوق کے پنپنے کے لیے ساز گار ثابت ہوا۔اسکول کے نوجوان ساتھیوں نے اُن کی شاعری پر اُنھیں ہمیشہ داد دی۔ ۱۹۴۰ء اور ۱۹۵۰ء کے عشرے کے دوران اُن کا شمار اپنے ضلع اور شہر کے شاعروں میں ہونے لگا۔ ۳۰

۱۹۴۶ء میں میٹرک کا امتحان مسلم ہائی اسکول سے الٰہ آباد بورڈ کے تحت درجہ اوّل میں پاس کیا۔ ۳۱ میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد فتح پور سے قریب ترین کالج حلیم انٹر کالج کانپور میں تاریخ، ریاضی اور فارسی کے مضامین کا انتخاب کر کے انٹر میں داخلہ لیا۔گھر کے معاشی حالات

اور بڑے بھائی کی ذمہ داریوں اور اُن پر بوجھ کا احساس کرتے ہوئے کالج میں تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے اور تین چار ماہ کالج جانے کے بعد کالج کو خیر باد کہہ دیا۔ ۳۲ تاہم پڑھائی کا سلسلہ جاری رکھا اور ۱۹۴۸ء میں ایف۔اے کا امتحان یو پی بورڈ الٰہ آباد سے پرائیویٹ اُمیدوار کے طور پر دیا۔ امتحانی فارم میں غلطی کی وجہ سے اُنھیں ریاضی کی بجائے اچانک یورپین ہسٹری کے مضمون کا امتحان دینا پڑا۔ اچانک مضمون کی تبدیلی کی وجہ سے اُنھیں امتحان میں ناکامی کا خدشہ تھا، لیکن امتحان میں سیکنڈ ڈویژن میں کامیاب ہو گئے۔ ۳۳ ایف۔اے کرنے کے بعد کرائسٹ چرچ کالج کانپور میں بی۔اے میں داخلہ لیا، لیکن پھر مجبوریاں آڑے آئیں اور تعلیم کو کالج کے ایک باقاعدہ طالب علم کی حیثیت سے خیر باد کہہ کر واپس فتح پور آ گئے۔ تعلیم کا شوق تھا، اس لیے پڑھائی جاری رکھی۔ ۱۹۵۰ء میں بی۔اے کا امتحان آگرہ یونیورسٹی سے پرائیویٹ اُمیدوار کی حیثیت سے دے کر سیکنڈ ڈویژن میں پاس کر لیا۔ ۳۴

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے روزگار کا آغاز درس و تدریس کے پیشے سے کیا۔ میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد مسلم ہائی اسکول فتح پور میں اُن کی بہ حیثیت معلّم تقرری ہوئی۔ ۳۵ اُنھیں اسکول میں انگریزی اور ریاضی کے مضامین پڑھانے کے لیے دیے گئے۔ ۳۶ خود لکھتے ہیں کہ: ”میٹرک کا نتیجہ ابھی نہیں آیا تھا کہ جس اسکول کا میں طالب علم تھا۔ اُس میں مجھے اعزازی طور پر بعض مضامین پڑھانے کو دے دیے گئے اور نتیجہ آنے کے بعد، چالیس روپے ماہوار پر مجھے باقاعدہ ایک غیر تربیت یافتہ اُستاد کی حیثیت سے ملازم رکھ لیا گیا۔ پہلے مجھے ششم، ہفتم، اور ہشتم جماعت میں انگریزی اور ریاضی پڑھانے کا موقع دیا گیا۔ پھر میں اُسی اسکول میں پورے چار سال نویں اور دسویں جماعت کو انگریزی پڑھاتا رہا۔“ ۳۷

ڈاکٹر فرمان فتح پوری میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد ۱۹۴۶ء میں ملازمت کے حصول کے لیے پبلک سروس کمیشن کے امتحان میں شریک ہوئے اور ساتویں پوزیشن حاصل کی۔ ۳۸ انٹرویو اور آؤٹ ڈور امتحان، میں کامیابی حاصل کرنے والوں کو ہردوئی کے ٹریننگ کالج میں تربیت حاصل کرنے کے لیے بلایا گیا۔ ڈاکٹر فرمان، جب ٹریننگ کے لیے وہاں پہنچے، تو پتا چلا کہ اُنھیں ٹریننگ سے روک دیا گیا ہے۔ بعد کی معلومات کے مطابق اُنھیں اس ملازمت کے لیے اس لیے نااہل قرار دیا گیا تھا کہ کانگریس کی حکومت کے پاس سی-آئی-ڈی کی اطلاعات تھیں کہ اُنھوں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اور اُن کی ہمدردیاں مسلم لیگ کے ساتھ ہیں۔ ۳۹ وہ بہتر مستقبل اور حصول روزگار کے لیے ۱۹۴۸ء کے اوائل میں اپنے دوست شباہت علی خان کے ہمراہ مسقط چلے گئے، لیکن وہاں سے اُنھیں اپنی والدہ کے اصرار پر جلد وطن واپس آنا پڑ گیا۔ ۴۰ مسقط سے واپسی پر اُنھیں اپنا مستقبل مخدوش دکھائی دیا، لیکن اُنھیں مسلم ہائی اسکول میں دوبارہ معلّم کی حیثیت سے ملازمت مل گئی اور وہ جون ۱۹۵۰ء تک فتح پور میں درس و تدریس کی خدمات سر انجام دیتے رہے۔ ۴۱

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے تقسیمِ ہندوستان کے بعد پاکستان آنے کا فیصلہ کیا۔ چناں چہ اپنے انٹر نیشنل پاسپورٹ پر، جس پر وہ بسلسلۂ ملازمت گلف گئے تھے، بمبئی سے مسقط کے لیے بحری جہاز پر روانہ ہوئے۔ جون ۱۹۵۰ء، ۲۶ رمضان المبارک کو اُن کا بحری جہاز کیماڑی کے پورٹ پر لنگر انداز ہوا، جہاں اُن کے دوست حبیب صدیقی پہنچے ہوئے تھے۔ ۴۲ کراچی پہنچنے کے بعد چند ماہ تک اُن کا قیام پیر الٰہی بخش کالونی میں حبیب

صدیقی کے ہاں رہا۔ بعد میں وہ ملیر سٹی منتقل ہو گئے۔[43] ڈاکٹر فرمان کراچی پہنچتے ہی ملازمت کی تلاش میں مصروف عمل ہو گئے۔ اُن کی ملازمت کی تلاش کی یہ کوششیں جلد بار آور ثابت ہوئیں اور اُنھیں سول ایوی ایشن کے محکمے میں لوئر ڈویژن کلرک کی ملازمت مل گئی۔ اس بارے میں لکھتے ہیں کہ :

"ملازمت کے لیے میرے پاس اس وقت کوئی وسیلہ نہ تھا۔ اچانک [پاکستان] پہنچا تھا، کسی بااثر عزیز یا دوست سے کوئی رابطہ نہ تھا۔ پھر بھی جو لوگ ملے وہ مجھ پر مہربان رہے، ریگل سینما کے قریب "ارکان فرنیچر" میں قیام تھا۔ اس وقت مرکزی سیکرٹریٹ اسی جگہ پر، مختلف بیر کوں میں قائم تھا۔ میں ہر افسر کے کہہ کر داخل ہو جاتا تھا اور اپنی ضرورت بیان کرتا تھا۔"May I Come in Sir?" کمرے میں ایک دن سول ایوی ایشن کے ڈائریکٹر جناب بدرالدین صاحب کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ وجیہہ شکل آدمی تھے، خوش لباس اور خوش رو، قرینے سے ملے۔ میں نے اپنا مدعا بیان کیا۔ کہنے لگے "ایل ڈی سی کی ایک جگہ خالی ہے آنا چاہو تو آجاؤ" میں نے قبول کر لیا اور کراچی پہنچنے کے دس دن بعد ہی سے کام شروع کر دیا۔"[44]

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کو اسی دوران اُردو آرٹس کالج کراچی کے علوم شرقیہ کے شعبے میں شام کی کلاسز میں ریاضی پڑھانے کے لیے جز وقتی ملازمت مل گئی اور پچاس سے پچھتر روپے ماہانہ معاوضہ ملنے لگا۔ یہاں کالج کے اساتذہ کے ساتھ اُن کے تعلقات پیدا ہوئے اور ساتھ اُن کے لیے علمی وادبی ماحول سے وابستہ ہونے کی ایک راہ نکل آئی۔ وہ اُردو آرٹس کالج کراچی کے شعبۂ شرقی سے ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۴ء تک منسلک رہے اور وہاں ڈاکٹر غلام سرور، پروفیسر سیّد عبدالرشید، اور ڈاکٹر عبدالسلام کے ساتھ تدریسی خدمات انجام دیں۔ اُنھوں نے ملیر سٹی میں تعلیم بالغاں کے لیے ماڈل نائٹ اسکول شروع کیا، جو دس سال کے لگ بھگ قائم رہا۔[45]

اُنھیں سول ایوی ایشن میں تعیناتی کے چند ہفتے بعد اے۔جی۔پی۔آر میں اَپر ڈویژن کلرک کی ملازمت مل گئی اور بعد ہیں آڈٹ ڈیپارٹمنٹ کا امتحان پاس کر کے ڈویژنل اکاؤنٹینٹ ہو گئے۔[46] ملازمت کے ساتھ اُنھوں نے تعلیم و تعلّم کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ کراچی میں اُردو کالج کے شعبۂ انگریزی میں ایم۔اے۔انگریزی کے لیے داخلہ لیا، لیکن باقاعدہ تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ بعد میں ایس۔ایم لاء کالج کراچی میں ایل ایل۔بی کی شام کی کلاسوں میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۳ء میں ایل ایل۔بی کی ڈگری حاصل کر لی۔ ڈاکٹر فرمان نے وکالت کا امتحان پاس کرنے کے بعد علامہ نیاز فتح پوری سے وکالت کا پیشہ اختیار کرنے کے بارے میں رائے لی، تو اُنھوں نے وکالت کی بجائے محکمہ تعلیم میں جگہ بنانے کا مشورہ دیا۔[47] ڈاکٹر فرمان چوں کہ فتح پور میں معلمی کے فرائض سرانجام دے چکے تھے اور پاکستان میں بھی اُردو آرٹس کالج میں جز وقتی طور پر پڑھا رہے تھے، اس لیے اُن کی اپنی خواہش بھی یہی تھی کہ محکمہ تعلیم میں ملازمت اختیار کر لیں، چناں چہ اُنھوں نے علامہ نیاز فتح پوری کے مشورے پر بی۔ٹی اور ایم۔اے کی تعلیم اسی مقصد کے تحت حاصل کی۔ گورنمنٹ ٹیچرز ٹریننگ کالج کراچی سے ۱۹۵۵ء میں بی۔ٹی کی ڈگری سیکنڈ ڈویژن کے ساتھ حاصل کی۔ اسی اثناء میں کراچی کے سرشتہ تعلیم میں اساتذہ کی خالی اسامیاں مشتہر ہونے پر اُنھوں نے درخواست دے دی۔ انٹرویو میں کامیابی کے بعد بی۔ٹی ٹیچر منتخب ہو گئے۔ اُن کی پوسٹنگ کوتوال بلڈنگ اسکول کی دوسری شفٹ میں ہوئی، جہاں اُس وقت

خواجہ محمد صدیق ہیڈ ماسٹر تعینات تھے۔[48] اسکول میں اُنھیں شروع میں درجۂ پنجم سے درجۂ ہشتم تک کی کلاسیں پڑھانے کے لیے ملیں اور چند ماہ بعد نویں اور دسویں کی کلاسیں بھی مل گئیں۔ وہ ان کلاسوں کو ریاضی اور انگریزی کے مضامین پڑھایا کرتے تھے۔ اسی اسکول میں دورانِ معلمی اُن سے خواجہ محمد صدیق نے انگریزی قواعد کے مسائل پر ایک کتاب لکھوائی، جو ماڈل انگلش گرامر کے نام سے ایجوکیشنل چوک کراچی سے ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کی کوئی کاپی ڈاکٹر فرمان کے پاس بھی محفوظ نہ رہ سکی۔[49] یہاں اسکول کے شائع ہونے والے میگزین "قائد" کی ادارت بھی اُن کے سپرد تھی۔[50]

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے ایم-اے، اُردو (پریویس) کا امتحان ۱۹۵۶ء میں جامعہ کراچی سے دیا اور سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والے چار طلبا میں نام شامل ہونے کی وجہ سے سال بھر کے لیے نوے روپے ماہانہ کا وظیفہ حاصل کیا۔[51] ایم۔اے (فائنل) میں مضمون نویسی کے پرچے میں "اُردو رُباعی کا فنی وتاریخی ارتقاء" کا موضوع منتخب کیا۔ اس موضوع پر ڈاکٹر عبدالقیوم اُن کے نگران مقرر ہوئے، جب کہ پروفیسر وقار عظیم اور مولانا حامد حسین قادری ممتحنین تھے۔ اس مضمون میں ڈاکٹر فرمان نے سب سے زیادہ نمبر حاصل کیے۔ ایم۔اے اُردو میں فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن حاصل کی۔ اُس وقت ڈاکٹر ابواللیث صدیقی مرحوم شعبۂ اُردو کے صدر تھے۔ شعبے کے دیگر اساتذہ میں ڈاکٹر غلام مصطفی خان، ڈاکٹر عبدالقیوم، ڈاکٹر سیّد شاہ علی، قدرت اللہ فاطمی اور جز وقتی اساتذہ میں پروفیسر حبیب اللہ غضنفر، پروفیسر عبدالسلام اور ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی جیسے اساتذہ شامل تھے۔ اُنھیں ان نامی گرامی اساتذہ سے فیض حاصل کرنے کا موقع ملا۔ ڈاکٹر فرمان کے ساتھ ایم-اے ،اُردو کرنے والے طلباء میں سے اُردو شعروادب میں شہرت حاصل کرنے والوں میں مشفق خواجہ (۱۹۳۵ء۔ ۲۰۰۵ء)، فرید جاوید، اور حسن عابد خاص طور پر شامل ہیں۔[52]

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے، جب ۱۹۵۸ء میں ایم-اے، اُردو کا امتحان پاس کیا، تو اسی دوران جامعہ کراچی کی سنڈیکیٹ نے نئے انتخاب وتقرر کے بارے میں ایک قرارداد منظور کی، کہ وہ طلبا جو اپنے شعبے میں پہلی پوزیشن حاصل کریں اور تدریس کا شوق اور اہلیت رکھتے ہوں، اُنھیں علی گڑھ یونیورسٹی کے طرز پر اپنے متعلقہ شعبے میں جونیئر لیکچرار کی حیثیت سے پڑھانے کی پیش کش کی جائے۔ ڈاکٹر فرمان نے ایم اے، اُردو میں فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن حاصل کی تھی، اس لیے اُنھیں صدر شعبۂ اُردو ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی سفارش پر جونیئر لیکچرار کی حیثیت سے جامعہ کراچی میں ملازمت مل گئی اور وہ ۲۰، اگست ۱۹۵۸ء سے جامعہ کراچی میں پڑھانے لگے۔[53] اُس زمانے میں جامعہ کراچی پرنسز اسٹریٹ سے ملحقہ عمارتوں میں قائم تھی۔ پروفیسر ابوبکر حلیم (یکم مارچ ۱۸۹۷ء۔ ۲۰، اپریل ۱۹۷۵ء) وائس چانسلر اور ڈاکٹر محمود احمد شعبۂ فلسفہ کے صدر اور کلیۂ فنون کے رئیس تھے۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے کوتوال بلڈنگ اسکول میں ہیڈ ماسٹر خواجہ محمد صدیق کے ساتھ اسکول میں تین سال کام کیا تھا۔ وہ نیک نام، محنتی اور سخت گیر منتظم کی حیثیت سے شہرت کے حامل تھے۔ وہ ڈاکٹر فرمان کی محنت اور لیاقت کے ایسے معترف تھے کہ جب اُنھیں خبر ہوئی کہ ڈاکٹر فرمان جامعہ کراچی میں درس وتدریس سے وابستہ ہو رہے ہیں، تو اُنھوں نے خاصی بھاگ دوڑ اور اپنے مراسم کو بروئے کار لا کر اُن کا تبادلہ ٹر

ینگ انسٹی ٹیوٹ ناظم آباد میں کروایا، جہاں وہ کوتوال بلڈ نگ اسکول سے تبادلے کے بعد تعینات تھے۔اس ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ میں سی ٹی اور پی ٹی سی کے لیے اساتذہ کی تربیت کی جاتی تھی۔ یہ اُس وقت کراچی میں اس نوعیت کا پہلا اور واحد ادارہ تھا۔اس ادارے میں خواجہ مرحوم نے اُن کا تبادلہ صرف اس مقصد کے تحت کروایا کہ اُنھیں الوداعی دعوت کر یہاں سے رخصت کریں۔اس طرح اس ادارے میں بھی ڈاکٹر فرمان پندرہ دن تک تعینات رہے۔پندرہویں دن اُنھیں الوداعی پارٹی دے کر رخصت کیا گیا۔ ۵۴

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کو صدر شعبۂ اُردو ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے پہلے سال ہی سے بی۔اے آنرز کے ساتھ ایم۔اے کے کچھ مضامین دیے، جنھیں اُنھوں نے بڑی تیاری، محنت اور خوش اُسلوبی سے پڑھایا اور اُردو زبان وادب کے ایک محنتی اور بااُصول استاد کی حیثیت سے نیک نامی کمائی۔ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اُن کی محنت، دیانت اور لکھنے پڑھنے کے ذوق وشوق کی وجہ سے اُن سے ہمیشہ خوش رہے۔امریکہ جاتے ہوئے اپنی نگرانی میں تحقیق کرنے والی فرانسیسی پی ایچ۔ڈی اسکالر لیلیان سکستان نذر کی رہنمائی اور مدد کا فریضہ ڈاکٹر فرمان کے حوالے کر گئے ،جو گارسیں دتاسی (۱۷۹۴ء۔۱۸۷۸ء) کی کتاب پر "تاریخ ہندوستانی مصنفین کا اُردو ترجمہ مع تعلیقات وحواشی" کا موضوع منتخب کر کے تحقیقی کام کر رہی تھیں۔جب وہ وطن واپس آئے اور کام پر نظر ثانی کی تو ڈاکٹر فرمان کے علمی ذوق وشوق اور مستعدی وفرض شناسی کے مزید معتقد ہوگئے۔ ۵۵ ڈاکٹر فرمان جامعہ کراچی کے شعبۂ ابلاغ عامہ میں بھی تدریس سے منسلک رہے ۔ اُنھیں شعبۂ ابلاغِ عامہ یں مضمون "صحافتی ٹیکنیک آف اُردو" پڑھانے کے لیے ملا۔اُنھوں نے زبان، صحافت اور ادب کے تعلق کے حوالے سے اس مضمون کا مکمل نصاب مرتب کیا اور چھ سال تک یہ مضمون پڑھایا۔اس شعبے میں درس وتدریس کے دوران اُنھیں پروفیسر مختار زمن، پروفیسر شریف المجاہد، پروفیسر زکریا ساجد، ڈاکٹر انعام الرحمن، ڈاکٹر سعید احمد، سیّد متین الرحمن مرتضیٰ، لطیف شیروانی اور ڈاکٹر شمس الدین کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ ۵۶

ڈاکٹر فرمان فتح پوری جامعہ ملیہ ملیر میں اس ادارے کے قومیائے جانے تک اپنے فارغ اوقات اور چھٹی کے دن اُردو کی کلاسیں لیتے ہے۔ڈاکٹر محمود حسین (۱۵؍جولائی ۱۹۰۷ء۔ ۱۳؍مئی ۱۹۶۹ء) نے اسی دوران اُن سے اساتذہ کی تربیت کے لیے "تدریس اُردو" کے عنوان سے کتاب لکھوائی۔ ۵۷ جامعہ ملیہ میں ڈاکٹر محمود حسین، ڈاکٹر ذاکر حسین، ڈاکٹر یوسف حسین، ڈاکٹر عندلیب شادانی، ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی، ڈاکٹر اسماعیل سعد، چوہدری محمد علی، خواجہ معین الدین، ظہور الحق، پروفیسر نیاز احمد، صادق علی خان، ڈاکٹر انوار خلیل، ہمایوں اختر، این ڈی خان، مسعود اختر، مرتضیٰ شفیع جیسے دانش وروں کی صحبت حاصل رہی۔ ۵۸

ڈاکٹر فرمان فتح پوری ایم۔اے اُردو کرنے کے فوراً بعد ڈاکٹریٹ کے لیے داخلہ لینا چاہتے تھے، لیکن ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، صدر شعبۂ اُردو کے بیرون ملک وزٹینگ پروفیسر کی حیثیت سے چلے جانے کی بناء پر اُن کی یہ خواہش اُس وقت پوری نہ ہو سکی۔ڈاکٹر عبادت بریلوی نے ۱۹۴۵ء تک کی اُردو تنقید پر تحقیقی کام کیا تھا اور اُن کا مقالہ شائع ہو چکا تھا۔ڈاکٹر فرمان نے اسی کو ذہن میں رکھتے ہوئے "۱۹۴۶ء کے بعد اُردو تنقید" کے موضوع پر کام کرنے کا ارادہ کیا، لیکن ڈاکٹر ابواللیث صدیقی نے اُنھیں مشورہ دیا کہ اُردو کی نثری داستانوں پر ڈاکٹر گیان چند نے

تحقیقی کام کیا ہے، اس لیے اُنھیں اُردو کی منظوم داستانوں پر کام کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے اس مشورے پر اُنھوں نے ڈاکٹریٹ کے لیے "اُردو کی منظوم داستانیں" موضوع تحقیق منتخب کیا اور اس موضوع پر تحقیقی کام کر کے جامعہ کراچی سے ۱۹۶۴ء میں پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اُن کے تحقیقی کام "اُردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری" پر جامعہ کراچی نے ۱۹۷۴ء میں اُنھیں ڈی۔لٹ کی ڈگری تفویض کی۔ جامعہ کراچی میں درس وتدریس کے ساتھ اُن کا ادبی سفر جاری رہا اور وہ اُردو زبان وادب سے متعلق مختلف النوع موضوعات پر کچھ نہ کچھ لکھتے رہے۔ اس دوران وہ جامعہ کراچی کے شعبۂ اُردو کے صدر نشین بھی رہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں کہ:
"میں کراچی یونیورسٹی میں اسسٹنٹ لیکچرار کی حیثیت سے داخل ہوا تھا، ترقی کر کے آخر آخر پروفیسر کے عہدے اور شعبۂ اُردو کے چیئرمین کے منصب تک پہنچا، کم وبیش اٹھائیس سال یونیورسٹی میں رہا، تدریس کے ساتھ ساتھ تحقیق وتنقید پر بھی پوری توجہ مرکوز رہی۔" ۵۹ جامعہ کراچی کے علاوہ ڈاکٹر فرمان نے مختلف اداروں میں بھی علمی وادبی خدمات سرانجام دیں۔ وہ اُردو ڈکشنری بورڈ کراچی میں ۱۹۸۵ء سے ۱۹۹۵ء تک مدیر اعلیٰ اور ۲۰۰۱ء سے ۲۰۰۸ء تک صدر کی حیثیت سے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ اُن کے دور میں اُردو لغت کی دس جلدیں، جلد ہفتم تا جلد شانزدہم شائع ہوئیں۔ ڈاکٹر فرمان ۱۹۹۴ء سے ۲۰۰۱ء تک سندھ پبلک سروس کمیشن کے رُکن رہے۔ وہ ادارۂ فروغ قومی زبان (مقتدرہ قومی زبان)، اسلام آباد، اُردو سائنس بورڈ، لاہور اور علامہ اقبال اکیڈمی، لاہور کے ہیت حاکمہ کے بھی رُکن رہے۔ ۶۰
ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی ازدواجی زندگی کا آغاز ۱۹۴۷ء میں ہوا۔ اُن کی شادی اُن کی خالہ کی بیٹی سلمیٰ بیگم (متوفیہ ۲۹، جنوری ۲۰۱۵ء) سے ہوئی ۔ ۱۹۴۸ء میں پہلا بیٹا پیدا ہوا، جس کا نام ابرار علی رکھا گیا۔ ۶۱ ۶۲ اُن کی والدہ محترمہ کو اُن کی شادی کا اس قدر شوق تھا کہ وہ مڈل کے بعد ہی اُن کی شادی کر دینا چاہتی تھیں، لیکن حالات سازگار نہ ہونے کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔ چناں چہ میٹرک کرنے کے بعد مسلم ہائی اسکول فتح پور میں معلّم کی حیثیت سے اُن کی تعیناتی کے بعد اُن کے لیے رشتے تلاش کرنے کی کوششیں شروع ہوئیں۔ اُنھوں نے، جب دیکھا کہ بڑے زور وشور سے اُن کے لیے اِدھر اُدھر رشتے دیکھنے کی باتیں ہو رہی ہیں اور کسی کا دھیان اُن کی خالہ زاد بہن سلمیٰ کی طرف نہیں جا رہا، جن کی پیدائش کے بعد اعلان کیا گیا تھا کہ فرمان کے ساتھ بیاہے جانے کے بعد اسی گھر میں رہیں گی، تو ان حالات میں اُنھوں نے اپنے بڑے بھائی کو شرم وحیا مانع ہونے کی وجہ سے زبانی کچھ کہنے کے بجائے ایک خط لکھ کر توجہ دلائی کہ جب رشتہ گھر میں موجود ہے، تو پھر ادھر ادھر تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ۶۳ خط کے مندرجات پڑھ کر تمام خاندان والے خوش ہوئے اور فوراً خالہ جان کے ہاں اُن کے رشتے کا پیغام بھجوایا گیا، جو بڑی خوشی کے ساتھ منظور کر لیا گیا۔ اُن کے بڑے بھائی نے شادی کے موقع پر منظوم دعوت نامہ لکھا، جس پر اُن کی بارات کی روانگی کی تاریخ چودہ جون اور رخصتی کی تاریخ پندرہ جون لکھی گئی۔ ۶۴ سال ۱۹۴۷ء تھا۔ ۶۵ شادی ۱۴، جون ۱۹۴۷ء کو ہوئی۔ ۶۶ شباہت علی خان لکھتے ہیں: "فرمان صاحب کی شادی جو ۱۹۴۷ء میں ہوئی تھی اس میں ساری رسوم دیکھنے میں آئیں۔ شادی کا اہتمام بڑے اعلیٰ پیمانے پر کیا گیا تھا۔ اُن کے بڑے بھائی شمشاد علی تنہا کی طرف سے منظوم و مطبوعہ دعوت نامہ تقسیم کیا گیا تھا۔" ۶۷
ڈاکٹر فرمان کو اللہ تعالی نے چھ اولادوں، دو بیٹوں اور چار بیٹیوں سے نوازا۔ اُنھوں نے اپنی مصروفیات کے باوجود اپنے بچّوں کی تعلیم وتربیت کی

طرف خاص توجہ دی اور اس معاملے میں کبھی کسی قسم کی غفلت نہیں برتی، یہی وجہ ہے کہ اُن کے سب بچّے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ بچّوں کی تعلیم و تربیت میں اُن کی اہلیہ کا بھی برابر کا کردار رہا۔ ڈاکٹر اسلم فرخی (۱۹۲۳ء۔ ۲۰۱۶ء) لکھتے ہیں کہ: ''انسان نیک نیت ہو تو اللہ تعالیٰ اس نیک نیتی کا صلہ بھی دیتا ہے۔ فرمان صاحب جیسے خود ہیں ویسی ہی اُن کی اولاد بھی ہے۔ لڑکے سعادت مند اور محنتی۔ لڑکیاں سلیقہ منداور خدمت گزار۔ بچّوں کی تربیت میں بھابھی کی کوششوں کو زیادہ دخل ہے۔ وہ بھی فرمان صاحب کی طرح نیک نیت اور محنتی ہیں۔''۶۸

اُن کے سب سے بڑے بیٹے سیّد ابرار علی این ای ڈی یونیورسٹی، کراچی سے بی-ای الیکٹریکل، انجینیئر ہیں۔ ملک میں ممتاز عہدوں پر خدمات سرانجام دے چکے ہیں اور حال ہی میں سر سیّد یونیورسٹی آف انجینیئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، کراچی سے رجسٹرار کی حیثیت سے فرائض سرانجام دینے کے بعد سبکدوش ہوئے ہیں۔ اُن کے دوسرے بیٹے سیّد ابصار علی نے ڈاؤ میڈیکل کالج کراچی سے ایم بی بی ایس کیا۔ نیویارک سے ایم۔ڈی کرنے کے بعد نفرالوجی میں فیلوشپ مکمل کی اور آج کل آغا خان ہسپتال کراچی میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ بڑی بیٹی شیمم سلمہا نے ڈاؤ میڈیکل کالج کراچی سے ایم بی بی ایس کیا۔

اُن کے شوہر ڈاکٹر ہیں اور دونوں نیویارک میں اپنا ذاتی کلینک چلا رہے ہیں۔ دوسری بیٹی ڈاکٹر نجمہ فرمان، جو شیمم سلمان سے چھوٹی اور سیّد ابصار وسیم سے بڑی ہیں نے لائبریری سائنس اور سوشل ورک دونوں میں پہلی پوزیشن کے ساتھ ماسٹرز کیا، بعد ازاں سوشل ورک میں پی ایچ-ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ جامعہ کراچی کے شعبۂ سماجی بہبود سے پروفیسر کی حیثیت سے ریٹائر ہوئی ہیں۔ تیسری بیٹی وسیم فرمان ڈاکٹر ہیں۔ صوبائی محکمہ صحت سے وابستہ ہیں۔ سب سے چھوٹی بیٹی ڈاکٹر عظمیٰ فرمان نے کراچی یونیورسٹی سے فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن میں ایم۔اے اُردو کیا۔۶۹ کراچی یونیورسٹی سے ہی اُردو میں پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی، شعبۂ اُردو، جامعہ کراچی سے پروفیسر کی حیثیت سے منسلک ہیں اور صدر شعبۂ اُردو کے منصب پر فائز رہی ہیں۔

اُردو کے بیش تر نام ور ادباء کی طرح ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز شعر گوئی سے کیا۔ وہ مڈل اسکول میں زمانۂ طالب علمی سے ہی شعر کہنے لگے تھے اور اسکول میں مشاعروں کے انعقاد اور ان میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینے والے طلباء میں شامل تھے۔ اُن کا شعر و شاعری کا یہ شوق ہائی اسکول کے زمانے میں قائم رہا اور وہ شعر کہنے کے ساتھ ساتھ مشاعروں میں حصّہ لیتے رہے۔ بعد ازاں، جب اسی ہائی اسکول میں معلمی کے فرائض سرانجام دینے کا موقع ملا، تو اُن کے اس ادبی شوق و ذوق کو مزید تقویت ملی۔ اس دوران اُنھوں نے اپنے اسکول میں ہونے والے ایک بڑے مشاعرے کے انعقاد میں خاص دل چسپی لی اور اُردو کے نام ور شعرا کو دعوت دینے اور مشاعرے میں لانے کے لیے فعال کردار ادا کیا۔ تحریک پاکستان کے دوران اُنھوں نے اپنی شاعری کے ذریعے لوگوں کے دلوں کو گرمایا۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے شعر و شاعری کو محض اپنے احساسات اور جذبات کی ترجمانی کے لیے استعمال کیا اور اپنی شاعری کی طباعت کی طرف توجہ نہیں دی۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی شاعری کا بیش تر حصّہ غیر طبع ہے، البتہ اُن کی شاعری کا نمونہ اُن کی خود نوشت ''بلا جواز (کچھ اپنے بارے میں)'' میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے،

جس سے اُن کے شعر گوئی کے ذوق کا پتا چلتا ہے۔ وہ شعر گوئی پر نثر کو ترجیح دینے کے بارے میں خود رقم طراز ہیں کہ: ''غالباً ریاضی سے فطری دل چسپی ہونے کا سبب یہ ہوا کہ جیسے جیسے مطالعہ وسیع ہوتا گیا مجھے تخیلات سے زیادہ حقائق تک رسائی حاصل کرنے میں زیادہ لطف آنے لگا۔ علم وادب کے تحقیقی و تنقیدی مسائل سے دل چسپی بڑھتی گئی اور اس بڑھتی ہوئی دل چسپی کا نتیجہ یہ ہو کہ شاعری خود بخود پیچھے رہ گئی۔'' ۷۰

اُردو نثر میں اُن کا تحریر کردہ پہلا مضمون ہی اُن کے اُردو زبان کے وسیع مطالعہ، حقیقت پسندی، علمی وادبی اور تحقیقی و تنقیدی شعور کا مظہر ہے۔ پروفیسر احتشام حسین (۱۹۱۲ء۔ ۱۹۷۲ء) کا ماہ نامہ ''نگار، لکھنؤ'' کے جون ۱۹۵۱ء کے شمارے میں ''زبان اور رسم الخط کا تعلق (بحث کے لیے)'' کے موضوع پر مضمون شائع ہوا، جس میں اُنھوں نے اس موضوع پر اپنا نقطہ نظر پیش کرتے ہوئے دوسروں کو بحث کی دعوت دی ۔پروفیسر احتشام حسین نے اپنے مضمون میں زبان اور رسم الخط کے باہمی تعلق کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر پیش کرتے ہوئے قرار دیا کہ چوں کہ زبان رسم الخط سے پہلے پیدا ہوئی، اس لیے ان میں باہمی تعلق باطنی کی بجائے محض رسمی ہے اور اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر زبان اور رسم الخط سے متعلق جاری بحث محدود ہو سکتی ہے۔ ۷۱ اس کے جواب میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے ''زبان اور رسم الخط'' کے عنوان سے مضمون تحریر کیا۔ یہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا پہلا تنقیدی مضمون تھا، جو ماہ نامہ ''نگار، لکھنؤ'' کے اکتوبر ۱۹۵۱ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ ''نگار، لکھنؤ'' جیسے ادبی جریدے میں زبان و ادب کے موضوع پر مضمون کی اشاعت معنی رکھتی تھی، کیوں کہ اس میں شائع ہونے والی تحریروں کو ایک قسم کا استناد کا درجہ مل جاتا تھا۔ ماہ نامہ ''نگار'' کے بارے میں یہ کہنا درست ہے کہ ''نگار'' محض ایک ادبی جریدہ ہی نہیں ،بلکہ ایک ادارے کی حیثیت رکھتا تھا، جس کا نام ندوۃ العلماء اور لکھنؤ یونیورسٹی کے ساتھ لیا جاتا تھا اور اس میں مضمون کا شائع ہو جانا، گویا ان علمی اداروں سے سند مل جانے کے برابر تھا۔ ۷۲ اس کی وجہ یہ تھی کہ علامہ نیاز فتح پوری ہر تحریر کو خود پڑھتے تھے اور جو تحریر اُن کے اعلیٰ معیار پر پوری اُترتی صرف اُسی تحریر کو ''نگار'' میں جگہ ملتی تھی۔ ۷۳

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا دوسرا مضمون ''کلامِ غالب میں استفہام'' بھی ماہ نامہ ''نگار، لکھنؤ'' کی اکتوبر ۱۹۵۲ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ یہ مضمون ڈاکٹر فرمان کی غالب شناسی کے ساتھ اُن کے تخلیقی ذہن اور تحقیقی و تنقیدی شعور کا عکاس ہے۔ مرزا غالبؔ کے کلام کی امتیازی خصوصیات کے مطالعے کے حوالے سے یہ مضمون اہمیت کا حامل ہے، جس میں غالبؔ کے استفہامیہ طرزِ بیان اور لب و لہجے پر بحث کرتے ہوئے اسے اُن کی شاعری کے اُسلوب کی نمایاں خصوصیت قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر فرمان کے اس مضمون کو موضوع کے اعتبار سے غالبیات پر پہلا مقالہ اور مطالعہ قرار دیا گیا، جس کی معنوی دل پذیری، شادابی اور تازگی میں ذرا بھر فرق نہیں آیا۔ ۷۴ ان ابتدائی مضامین کی ''نگار، لکھنؤ'' میں اشاعت اور علمی وادبی حلقوں میں پذیرائی کی وجہ سے ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی ہمّت بڑھی اور اُنھوں نے اُردو نثر کو اپنے اظہارِ خیال کے لیے منتخب کرتے ہوئے اُردو زبان وادب سے متعلق مختلف النوع موضوعات پر تحقیقی و تنقیدی مضامین لکھنے شروع کیے، جو نگار، لکھنؤ، ادب لطیف ،لاہور، فکر و خیال کراچی، ترنگ، کراچی، ہم قلم، کراچی اور صحیفہ، لاہور وغیرہ جیسے ادبی جرائد میں شائع ہوئے۔ پہلے مضمون ''زبان اور رسم

الخط'' کے سن اشاعت ۱۹۵۱ء سے لے کر ۱۹۶۴ء میں پی ایچ۔ ڈی کے مقالے کی تکمیل کے سال تک اُن کے، جو تحقیقی و تنقیدی مضامین مختلف ادبی رسائل و جرائد میں شائع ہوئے، ان کے موضوعات ڈاکٹر فرمان کی اُردو زبان کے ادبی و لسانی اُمور سے دل چسپی کے مظہر ہیں۔ ان میں ''زبان اور رسم الخط'' (نگار، لکھنؤ، اکتوبر ۱۹۵۱ء)، ''غالب کے کلام میں استفہام'' (نگار، لکھنؤ، مئی ۱۹۵۲ء)، 'فراق۔ ایک رجائی غزل گو'' (ترنگ، کراچی، فروری ۱۹۵۳ء)، ''جگر لخت لخت'' (ادب لطیف، لاہور، جون ۱۹۵۴ء)، ''سیماب کی شاعری میں ترقی پسند عناصر'' (نگار، اپریل ۱۹۵۵ء)، ''داغ کی حیات معاشقہ''، (نگار، مئی ۱۹۵۶ء)، ''اُردو رُباعی کا فنی وتاریخی ارتقاء'' (نگار، جنوری، فروری ۱۹۵۷ء)، ''دردؔ کی شخصیت، تصوف اور شاعری'' (ادب لطیف، لاہور، مئی ۱۹۵۷ء)، ''انشاء اور رانی کیتکی کی کہانی'' (ادب لطیف، مارچ ۱۹۵۷ء)، ''کچھ تحقیقات شادانی'' کے بارے میں'' (صحیفہ، لاہور، ستمبر ۱۹۵۸ء)، ''ابوالخیر، خیام اور سرمد'' (نگار، جون ۱۹۵۹ء)، ''کیا کیا خضر نے سکندر سے'' (نگار، مارچ ۱۹۶۰ء)، ''رُباعی اور دو بیتی کا فرق'' (نگار، مارچ ۱۹۶۰ء)، ''سرمد و منصور کی حریف، رابعہ'' (نگار، ستمبر ۱۹۶۰ء)، ''جرأت کی غیر مطبوعہ مثنوی (حسن و عشق)'' (نگار، مارچ ۱۹۶۱ء)، ''اقبال و غالب کا تقابلی مطالعہ'' (نگار، جنوری ۱۹۶۲ء)، ''علاقائی زبانیں اور اُردو ادب'' (ہم قلم، کراچی، اپریل ۱۹۶۲ء)، ''قدیم اُردو ڈرامہ کے ایک اہم فنکار'' (نگار، جون ۱۹۶۲ء)، ''مومن کی حیات معاشقہ'' (نگار، اکتوبر، ۱۹۶۲ء)، ''نیاز فتح پوری ایک نظر میں'' (نگار، مارچ، اپریل ۱۹۶۳ء)، ''نیاز اور فتح پور'' (نگار، مارچ، اپریل ۱۹۶۳ء)، ''نگار اور نگار کے خاص نمبر'' (نگار مئی، جون ۱۹۶۳ء)، ''اُردو غزل کا اولین معمار۔ ولی'' (نگار، ستمبر ۱۹۶۳ء)، ''اُردو غزل کا اولین معمار (بقیہ)'' (نگار، اکتوبر ۱۹۶۳ء)، ''استفادہ یا سرقہ'' (نگار، نومبر، ۱۹۶۳ء)، ''اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری'' (نگار، مئی، جون ۱۹۶۴ء)، ''شعرائے اُردو کے تذکروں کا تعارف'' (نگار، مئی، جون ۱۹۶۴ء)، ''شعرائے فارسی کے تذکرے ایک نظر میں'' (نگار، مئی، جون ۱۹۶۴ء)، ''فارسی شعرا کے بعض دوسرے مآخذ'' (نگار، مئی، جون ۱۹۶۴ء)، ''دریائے عشق اور بحر المحبت (تقابلی مطالعہ)'' (نگار، نومبر ۱۹۶۴ء)، ''اُردو غزل، قدیم و جدید کے سنگم پر'' (نگار، ستمبر ۱۹۶۴ء) اور ''دریائے عشق اور بحر المحبت (بقیہ)'' (نگار، دسمبر ۱۹۶۴ء) جیسے ادبی مضامین اور مقالے شامل ہیں۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے ابتدائی دَور کے یہ تنقیدی و تحقیقی مضامین اُن کے مطالعہ شوق، ادبی معلومات، موضوعات کی ہمہ گیریت، قوت مشاہدہ اور اُن کے ابتدائی اُسلوبِ بیان و فکر کو ظاہر کرتے ہیں۔ موضوع کی مناسبت سے اُن کے ہاں طویل مضامین بھی ہیں اور مختصر بھی، لیکن یہ مضامین اپنی طوالت یا اختصار سے قطع نظر دل چسپی اور دل کشی کے حامل ہونے کی وجہ سے قاری کے لیے لُطف و انبساط کا باعث بنتے ہیں۔ ڈاکٹر فرمان کی ان ابتدائی تحریروں میں اُن کا خاص طرزِ اُسلوب دکھائی دیتا ہے۔ وہ اپنا مقصد بیان کرنے کے لیے عام فہم زبان اور لب و لہجہ اختیار کرتے ہیں، اُن کی تحریروں میں مشکل اور ثقیل الفاظ، محاورات، مرکبات اور اصطلاحات کی بجائے عام فہم، سادہ اور سلیس الفاظ نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر فرمان کی تحریروں میں اُن کی فکر، لب و لہجہ، متانت و وقار، سنجیدگی اور عالمانہ رکھ رکھاؤ کے ساتھ اُن کی فطرت میں چھپی ہوئی محققانہ طبیعت صاف نظر آتی ہے۔ اُن کی تحریروں میں استدلالی طرز بکثرت ملتا ہے۔ وہ تنقیدی و تحقیقی ہر قسم کے مضامین اور مقالوں

میں تنقید و تحقیق دونوں کو ساتھ لے کر چلتے ہیں۔اس بارے میں اُن کا مؤقف یہ ہے کہ : ”میں تحقیق و تنقید دونوں کو لازم وملزوم سمجھتا ہوں اس لیے دونوں کو ساتھ لے کر چلنا پسند کرتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ تحقیق و تنقید کو باہم ہم آہنگ اور ہم رکاب ہونا چاہیے اور میں اس پر بھی زور دیتا ہوں کہ ہماری تنقید میں تحقیق کی کمی کی وجہ سے بڑا نقصان ہو رہا ہے۔نقاد اگرچہ اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتے مگر اس سے پہلو بچانے کے مرتکب ضرور ہوتے ہیں۔اس لیے سچی محنت کے آثار بہت کم پائے جاتے ہیں۔“ ۷۵

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے مضامین اور مقالات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ ابتدا ہی سے اُردو زبان وادب اُن کی دل چسپی کا مرکز بن گیا تھا۔اُنھوں نے اُردو زبان وادب کا وسیع مطالعہ کیا اور اپنے تجزیے کے ساتھ پیش کر دیا۔اس حوالے سے رشید حسن خاں کا کہنا ہے کہ :

”موضوعات کا تنوع اُن [ڈاکٹر فرمان فتح پوری] کے مطالعے کی وسعت پر بھی گواہی دیتا ہے اور اُنھوں نے جس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے ،اس میں اُن کے انداز فکر کی گہرائی بھی تہہ نشین ہوتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس سے ہماری معلومات میں کچھ نہ کچھ اضافہ ضرور ہوتا ہے۔“ ۷۶

اس بارے میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا تجزیہ درست ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ : ”ڈاکٹر فرمان فتح پوری اس عہد کے اُن معدودے چند صاحبان علم میں سے ہیں جن کی اُردو شناسی کو بطور مثال سخن پیش کیا جا سکتا ہے۔۔۔فرمان صاحب کے علمی کارناموں میں بالیدگی بھی وقت کے ساتھ ساتھ آئی ہے۔اُنھوں نے اپنی علمی سفر کی کوئی منزل عشق کی ایک جست میں طے نہیں کی بلکہ جو کام بھی کیا پوری توجہ اور محنت سے کیا، جو کچھ بھی لکھا رسان اور اطمینان سے لکھا۔“ ۷۷

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کا ایم۔اے کا مقالہ بہ عنوان ”اُردو رُباعی (فنی وتاریخی ارتقاء)“، مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہونے والے مضامین و مقالات کا انتخاب بہ عنوان ”تحقیق و تنقید“ اور اُردو زبان کی درس و تدریس سے متعلق کتاب بہ عنوان ”تدریس اُردو“ ۱۹۶۲ء میں طبع ہو کر سامنے آئی۔اس دوران پی ایچ۔ڈی کے تحقیقی مقالے پر کام بھی جاری رہا۔۱۹۶۴ء میں ”اُردو کی منظوم داستانیں“ کے موضوع پر تحقیقی کام کر کے جامعہ کراچی سے پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔اُن کا یہ مقالہ ۱۹۷۰ء میں پہلی بار مجلس ترقی ادب، لاہور نے شائع کیا۔اس مقالے کی دوسری اشاعت ۲۰۰۲ء میں انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی کے زیر اہتمام عمل میں آئی۔پروفیسر سحر انصاری (پیدائش: ۲۷، دسمبر ۱۹۴۱ء) کا کہنا درست ہے کہ ڈاکٹر فرمان نے اپنے پی ایچ۔ڈی کے مقالے کے لیے ”اُردو کی منظوم داستانیں“ موضوع منتخب کیا، اور اس موضوع کا حق ادا کر دیا۔ ۷۸

ڈاکٹر اے۔بی اشرف کی رائے ہے کہ :

"بحیثیت مجموعی پوری کتاب [اُردو کی منظوم داستانیں] تحقیق و تنقید کا بہترین امتزاج پیش کرتی ہے۔ڈاکٹر صاحب نے حتی الامکان تمام اصل مآخذات تک پہنچنے کی پوری کوشش کی ہے۔بہت سی غیر مطبوعہ داستانوں تک رسائی حاصل کی ہے۔نئی دریافتوں تک پہنچے ہیں اور اس صنف کے مطالعے میں کئی اضافے کیے ہیں۔یوں یہ تصنیف ایک اوریجنل تحقیقی کتاب کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔فاضل محقق کے تنقیدی نظریات بڑے متوازن اور جچے تلے ہوتے ہیں۔کہیں بھی انتہا پسندی کا شکار نہیں ہوتے۔لگی لپٹی رکھے بغیر اپنی تنقیدی آراء کا اظہار کرتے

ہیں۔ادب کو سیاسی، سماجی پس منظر میں پرکھتے ہیں، لیکن اس کی فنی حیثیت کو بھی نظر انداز نہیں کرتے۔ چناں چہ جہاں ان منظوم داستانوں کے سماجی اور معاشرتی اثرات کا ذکر کرتے ہیں وہاں ان کی فنی خوبیوں اور خامیوں کو بھی زیر بحث لاتے ہیں۔"۷۹
ڈاکٹر فرمان فتح پوری کو اُن کے تحقیقی کام "اُردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری" پر جامعہ کراچی نے ۱۹۷۲ء میں ڈی۔لٹ کی ڈگری تفویض کی۔ یہ مقالہ ۱۹۷۲ء میں مجلس ترقی ادب، لاہور اور ۱۹۹۸ء میں انجمن ترقی اُردو، کراچی نے شائع کیا۔ ان سندی مقالوں کے علاوہ اُنھوں نے غیر سندی تحقیقی مقالے بھی لکھے۔ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے غیر سندی مقالوں میں "نواب مرزا شوق کی مثنویاں"(۱۹۷۲ء)، "دریائے عشق اور بحر المحبت کا تقابلی مطالعہ"(۱۹۷۲ء)، "میر انیس: حیات اور شاعری"(۱۹۷۶ء)، "ہندی اور اُردو تنازع"(۱۹۷۶ء)، "اقبال سب کے لیے"(۱۹۷۷ء)، "اُردو قومی یکجہتی اور پاکستان"(۱۹۹۲ء)، "اُردو کی بہترین مثنویاں"(۱۹۹۳ء)، "میر کو سمجھنے کے لیے"(۱۹۹۹ء) اور "اُردو کے چار بڑے شاعر"(۲۰۱۰ء) شامل ہیں۔ ڈاکٹر سلیم اختر کا "اُردو کی منظوم داستانیں"، "اُردو کی بہترین مثنویاں"، "دریائے عشق اور بحر المحبت کا تقابلی مطالعہ" اور "نواب مرزا شوق کی مثنویاں" کے حوالے سے کہنا ہے کہ اگر ڈاکٹر فرمان نے کسی اور موضوع پر قلم نہ بھی اُٹھایا ہوتا، تو بھی مثنویوں پر وہ اپنی ان کتابوں کے ذریعے ایک قابل ذکر محقق اور نقاد کی حیثیت سے خود کو تسلیم کرا سکتے ہیں۔۸۰ ڈاکٹر عطش درانی نے بھی ڈاکٹر فرمان کو اُردو کا ایک بے مثال محقق قرار دیتے ہوئے "اُردو کی منظوم داستانیں"، "اُردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری" اور" اُردو رُباعی ،فنی و تاریخی ارتقاء "کو اُن کے تحقیقی کارنامے کہا ہے ۔۸۱
ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی باسٹھ (۶۲) کے لگ بھگ تصنیفات و تالیفات شائع ہو کر سامنے آئیں۔ان کتابوں میں سے سات (۷) کتابوں کے ایڈیشن پاکستان کے علاوہ ہندوستان سے بھی شائع ہوئے اور ان میں سے بعض کے ایک سے زائد ایڈیشن سامنے آئے۔ڈاکٹر فرمان کے مجموعۂ مضامین و مقالات اور لسانی مسائل و مباحث پر مبنی کُتب تحقیق و تنقید (۱۹۶۲ء)، اُردو تدریس (۱۹۶۲ء)، مولانا جوہر: حیات اور کارنامے (۱۹۶۹ء)، غالبؔ شاعرِ امروز و فردا (۱۹۷۰ء)، زبان اور اُردو زبان' (۱۹۷۳ء)، اُردو کی نعتیہ شاعری (۱۹۷۴ء)، نیا اور پرانا ادب (۱۹۷۴ء)، ڈاکٹر محمود حسین، شخصیت اور کارنامے (۱۹۷۶ء)، اُردو املا ورسم الخط (۱۹۷۷ء)، مولانا حسرت موہانی، شخصیت اور فن (۱۹۷۷ء)، اُردو افسانہ اور افسانہ نگار (۱۹۸۲ء)، تاویل و تعبیر (۱۹۸۲ء) ،نیاز فتح پوری ، شخصیت اور فن (۱۹۸۲ء)، فن تاریخ گوئی اور اس کی روایت (۱۹۸۴ء)، اُردو کی ظریفانہ شاعری (۱۹۸۷ء)، اُردو کا افسانوی ادب (۱۹۸۸ء)، اُردو نثر کا فنی ارتقاء (۱۹۸۹ء)، اُردو املا اور قواعد (۱۹۹۰ء)، اُردو شاعری کا فنی ارتقاء (۱۹۹۰ء)، اُردو شاعری اور پاکستانی معاشرہ (۱۹۹۰ء)، نیاز فتح پوری دیدہ و شنیدہ (۱۹۹۱ء)، ادبیات و شخصیات (۱۹۹۳ء)، غزل، اُردو کی شعری روایت (۱۹۹۵ء)، ادب اور ادب کی افادیت (۱۹۹۶ء)، تمنا کا دوسرا قدم اور غالبؔ (۱۹۹۸ء)، ادا جعفری، فن و شخصیت (۱۹۹۸ء)، خود نوشت اور تنقید خود نوشت (۱۹۹۸ء)، ادب اور ادبیات (۲۰۰۱ء)، عملی تنقیدیں (۲۰۰۱ء)، تعبیراتِ غالبؔ (۲۰۰۲ء)، تنقیدی شذرات و مقالات (۲۰۰۵ء)، غالبؔ اور غالبیات (۲۰۰۵ء)، جوش ملیح آبادی اور فراق گورکھپوری (۲۰۰۵ء)، اُردو فکشن کی مختصر تاریخ (۲۰۰۶ء)، ادبی تنقید کے نئے دریچے (۲۰۰۷ء)، صرف شاعرات (۲۰۰۹ء) اور چند نعت گویان اُردو (۲۰۱۰ء)

کی صورت میں شائع ہوئے۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی دیگر نثری تصنیفات وتالیفات اور مرتبہ کتابوں میں قمر زمانی بیگم (۱۹۷۲ء)، قائداعظم اور تحریک پاکستان (۱۹۷۲ء) ،ارمغان گوکل پرشاد (۱۹۷۵ء)، خطباتِ محمود (۱۹۸۳ء)، سری پرکاش اور پاکستان (۱۹۹۳ء)، شرح ومتن غزلیاتِ غالبؔ (۲۰۰۰ء)، مشاہیر فتح پور (ہسوہ) (۲۰۰۲ء)، نصف الملاقات (۲۰۰۲ء) اور ادب نما (۲۰۰۷ء) شامل ہیں۔ اُنھوں نے اپنی اور دوسرے ادیبوں اور شاعروں کی کتابوں پر دیباچے، مقدمے اور تبصرے بھی قلم بند کیے، مکاتیب لکھے، ایک سفر نامۂ ہندبہ عنوان ''دیدو بازدید'' (۱۹۸۳ء) تحریر کیا اور اپنی خود نوشت ''بلاجواز (کچھ اپنے بارے میں)'' (۲۰۱۱ء) تحریر کی۔ اُن کی ان نثری تصنیفات وتالیفات میں سے بعض برصغیر پاک و ہند کی جامعات میں گریجویشن سے ڈاکٹریٹ تک کے اُردو نصاب میں شامل ہیں اور اپنی قدر و قیمت کی وجہ سے تحقیقی کاموں میں حوالوں کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں۔ ڈاکٹر فرمان کے تحقیقی و تنقیدی مضامین، سندی و غیر سندی مقالات اور دیگر تصنیفات و تالیفات کی فہرست کو دیکھا جائے، تو اس میں اُردو زبان وادب کی نظم و نثر کی ہر صنف سے متعلق موضوعات نظر آتے ہیں۔ یہ موضوعات اُن کی اُردو زبان کے ادبی و لسانی اُمور سے دل چسپی اور آگاہی کا ثبوت ہیں۔ ڈاکٹر فاروق احمد کی رائے درست ہے کہ ڈاکٹر فرمان کے موضوعات میں اُردو ادب کی شاید ہی کوئی صنف بچ گئی ہو۔ وہ تحقیق، تنقید، شخصیت، زبان، پاکستانی معاشرے، غرض ہر موضوع پر سوچ بچار کے بعد قلم اُٹھاتے ہیں اور زبان و ادب کے تاریخی تسلسل کو مجروح نہیں ہونے دیتے۔ ۸۲ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں کہ :

"اُنھوں نے تحقیقی اور علمی کتابیں بھی لکھی ہیں، تنقید بھی لکھی ہے اور تدوین وتالیف کا حق بھی ادا کیا ہے۔ اُن کے کاموں کو کئی شقوں میں رکھ کر دیکھا جاسکتا ہے، مثلاً اصناف سے متعلق کتب ''اُردو رُباعی کا فنی و تاریخی ارتقاء''، ''شعرائے اُردو کے تذکرے اور تذکرہ نگاری''، ''اُردو کی منظوم داستانیں''، ''اُردو شاعری کا فنی ارتقاء''، ''اُردو نثر کا فنی ارتقاء''، اُردو افسانہ اور افسانہ نگار''، ''اُردو کی ظریفانہ شاعری اور اس کے نمائندے''، ''اُردو کی نعتیہ شاعری''، ''فن تاریخ گوئی اور اس کی روایت''، ''اُردو کی بہترین مثنویاں'' وغیرہ۔ دوسرے شخصیات پر مونو گراف مثلاً ''غالب شاعر امروز و فردا''، ''اقبال سب کے لیے'' یا ''میر انیس حیات و شاعری'' یا ''قمر زمانی بیگم'' جس میں خط و کتابت بھی ہے۔ نیز ''نیاز فتح پوری شخصیت اور فن''، ''مولانا حسرت موہانی شخصیت اور فن''، ''مولانا جوہر حیات اور کارنامے''، ''سر سیّد احمد خاں'' وغیرہ۔ تیسرے تنقیدی و تحقیقی مضامین کے مجموعے جیسے ''تحقیق و تنقید''، ''نیا اور پرانا ادب''، ''تاویل و تعبیر''، ''ادبیات و شخصیات''، '' قومی یک جہتی اُردو اور پاکستان''، ''تدریس اُردو'' اور اس نوع کی کتابیں اور چوتھے زبان اور مسائل زبان سے متعلق کتابیں مثلاً ''زبان اور اُردو زبان''، ''اُردو املا اور رسم الخط، اصول و مسائل''، ''ہندی اُردو تنازع''، نیز ''اُردو املا و قواعد، مسائل و مباحث۔'' ۸۳

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی تحریروں میں مولانا الطاف حسین حالیؔ اور بابائے اُردو مولوی عبدالحق کی روایت کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ حالیؔ نے اپنی تصنیفی زندگی کا آغاز مذہبی رسائل میں مناظراتی انداز سے کیا۔ وہ ادبی اُمور پر نگاہ رکھتے تھے اور اُن کی تحریروں میں نرمی، لچک، فطرت پسندی، اعتدال، سنجیدگی اور متانت پائی جاتی ہے۔ ۸۴ اسی طرح ڈاکٹر فرمان نے بھی نثر میں اپنے ادبی سفر کا آغاز ادبی جریدے ''نگار'' میں

مناظراتی مضمون لکھ کر کیا۔ادبی اُمور سے دل چسپی اور آگاہی کی بناء پر بعد میں اُنھوں نے بھی اُردو زبان اودب میں جوہر دکھائے۔حالیؔ کی تحریروں کی سی لطافت، فطرت پسندی،اعتدال، سنجیدگی اور متانت ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی تحریروں میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ جس طرح مولوی عبدالحق تخلیقی معیار کو تحقیق و تنقید کے ذریعے پرکھا کرتے تھے ،اسی طرح ڈاکٹر فرمان نے بھی فن تحقیق و تنقید کو برتا۔ ڈاکٹر نجیب جمال لکھتے ہیں کہ :

"مولوی عبدالحق کی روایت کو موجودہ دور میں جن محققین اور نقادوں نے تسلسل دیا اور تخلیقات کے معیار کو تحقیقات و تنقیدات کی کسوٹی پر رکھ کر زر کم عیار کو زر اصل سے علیحدہ کیا اُن میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری کو اُن کے تحقیقی کام کے تنوع اور اس کی اہمیت کے پیش نظر بآسانی ہم اُردو کے چند ممتاز محققوں اور نقادوں کی فہرست میں شامل کر سکتے ہیں۔ وہ بلاشبہ مولانا حالی، مولوی عبدالحق، رشید احمد صدیقی، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اور سیّد وقار عظیم کی تحقیق و تنقید کی شائستہ اور مہذبانہ روایت کی توسیع ہیں۔"ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے ولی دکنی، میر دردؔ، میر تقی میرؔ ،میر انیسؔ، مرزا غالبؔ، سر سیّد احمد خاں، علامہ اقبال اور مولوی عبدالحق جیسے مشاہیر ادب پر قلم اٹھایا اور اُردو زبان وادب میں اُن کی خدمات اور فکر و فن کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا،اور جوشؔ، مجنوں گورکھپوری، فراقؔ، نیاز فتح پوری، ڈاکٹر ابولیث صدیقی، اور ڈاکٹر غلام مصطفی خاں جیسے اکابرین ادب کی صحبتوں سے فیض اٹھایا، لیکن اپنے وسعت مطالعہ کی بنیاد پر اُردو ادب میں افکار اور اُسلوب بیان کے حوالے سے کسی کی تقلید کرنے کی بجائے اپنا راستہ خود بنایا۔ یہ کہنا درست ہے کہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے تنقید اور تحقیق میں خود کو کسی دائرے کا قیدی نہیں بنایا، خواہ وہ دائرہ کسی تحریک کا ہو، دبستان کا ہو یا موضوع کا۔[86] اور اس رائے سے اتفاق کیا جا سکتا ہے کہ ڈاکٹر فرمان کی انتقادی کاوشوں کے بغور مطالعے اور تجزیے سے محسوس ہوتا ہے کہ وہ مولوی عبدالحق کے مکتب فکر کے پاس دار ہیں۔اُنھوں نے ہمیشہ معروضی انداز اپنایا۔ زبان سادہ اور سلیس، دوٹوک، صاف اور شفاف گہرائی اور گیرائی، تہہ داریت اور معنی آفرینی۔[87] ڈاکٹر فرمان کو مرزا غالبؔ کا کلام اپنے زمانۂ طالب علمی میں تیرہ برس کی عمر میں اَزبر تھا۔اقبال کے کلام سے دل چسپی بھی اسی عمر میں پیدا ہوئی۔ شعر و شاعری کا شغف بھی اسی دَور کی بات ہے۔مشاعروں کے انعقاد میں سرگرم عمل رہنے کے ساتھ اس وقت کے نامور اُردو شعراء کے ساتھ خط وکتابت اور ملاقاتوں نے اُن کے ادبی ذوق و شوق کی مزید آبیاری کی۔ قدرت بھی اُردو ادب میں اُن سے خدمات لینا چاہتی تھی۔ پبلک سروس کمیشن کے امتحان اور انٹرویو میں کامیابی کے باوجود اُن کی تعیناتی میں رکاوٹ، علامہ نیاز فتح پوری کے زیر التفات اور قربت حاصل ہونے، ایل ایل۔بی کے بعد وکالت کو بطور پیشہ نہ اپنانے کے فیصلے، کراچی یونیورسٹی میں اُردو کے معلّم کی حیثیت سے تعیناتی، ۱۹۶۲ء میں ماہ نامہ "نگار پاکستان"، کراچی کے اجراء میں معاونت، اُن کے لیے قدرت کی طرف سے اُردو ادب میں خدمات سرانجام دینے کے مواقع پیدا کرنے کے سوا کچھ نہ تھا۔ ۱۹۶۲ء میں ماہ نامہ "نگار، لکھنؤ" سے وابستگی نے اُردو ادب میں آگے بڑھنے کی راہ ہموار کی۔ علامہ نیاز فتح پوری کے دستِ شفقت، رہنمائی اور ہمت افزئی نے اُنھیں حوصلہ بخشا۔ کراچی یونیورسٹی میں ڈاکٹر ابولیث صدیقی کی رفاقت اور اُن کے اُن پر اعتماد نے مزید مدد کی اور یونیورسٹی کی علمی و ادبی فضا نے اُردو زبان وادب کے کلاسیکل سرمائے کے مطالعے کے اسباب پیدا کیے۔ڈاکٹر ابولیث صدیقی کی نگرانی میں اُردو کی منظوم داستانوں پر

تحقیقی کام نے مطالعے میں مزید وسعت بخشی۔ بعد ازاں علامہ نیاز فتح پوری کے اشارے پر اُردو شعرا اور اُن کے تذکروں پر تحقیقی کام نے اُنھیں اُردو کلاسیکل سرمائے سے مزید قریب کر دیا۔ ڈاکٹر فرمان نے اپنے قلم کو کبھی رُکنے نہیں دیا اور ہمیشہ اُردو زبان وادب کے فروغ و اشاعت کی کوششوں میں لگے رہے۔ ڈاکٹر نجیب جمال کا تجزیہ بالکل درست ہے کہ ڈاکٹر فرمان نے اپنی تحریروں کے ذریعے اپنی تاریخی، تہذیبی، تمدنی، علمی اور ادبی روایات کو محفوظ کر دیا ہے۔ ۸۸

ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے ماہ نامہ ''نگار'' میں مختلف النوع موضوعات پر تحقیقی و تنقیدی مضامین اور مقالے لکھے، جو اُن کی اُردو زبان وادب سے فکری و فنی وابستگی کی عکاسی کرتے ہیں۔ علامہ نیاز فتح پوری کی وفات کے بعد اس ادبی جریدے کی اشاعت جاری و ساری رکھنے میں ڈاکٹر فرمان کی ذاتی دل چسپی اور عملی کاوشوں کا عمل دخل رہا۔ ڈاکٹر فرمان ۱۹۶۲ء سے ماہ نامہ ''نگار پاکستان''، کراچی کے نائب مدیر اور علامہ نیاز فتح پوری کی وفات کے بعد ۱۹۶۶ء سے تادم مرگ ''نگار پاکستان''، کراچی کے مدیر اعلیٰ رہے۔ جون ۲۰۱۳ء تک اُن کی ادارت میں یہ جریدہ شائع ہوتا رہا۔ ۸۹ آخری شمارہ اُن کی وفات سے چند روز پہلے شائع ہوا اور ترسیل کے مراحل میں تھا۔ ۹۰ ڈاکٹر فرمان نے تدریسی و انتظامی اُمور کی اپنی مصروفیات اور اپنے علمی و ادبی مشاغل کے ساتھ اس ادبی جریدے کو نہ صرف اپنی آخری سانس تک وقت دیا، بلکہ اس کی اشاعت و طباعت کے لیے اپنی تمام قوتیں اور وسائل بروئے کار لائے اور ہمیشہ اس کے معیار کو قائم رکھنے کی کوشش میں سرگرم عمل رہے۔ ڈاکٹر شاداب احسانی کی رائے درست ہے کہ ڈاکٹر فرمان، علامہ نیاز فتح پوری کے بعد ''نگار'' سے بے پناہ عشق کرتے تھے، ''نگار'' اگر جسم تھا، تو اس کی رُوح ڈاکٹر فرمان تھے، جنھوں نے سنتالیس برس میں اس کے سینتیس خاص شمارے نکالے۔ ۹۱

ڈاکٹر فرمان کی اُردو زبان وادب سے گہرے لگاؤ کا اظہار ماہ نامہ ''نگار'' کے خصوصی شماروں اور سالناموں کی اشاعت سے بھی ہوتا ہے۔ اُن کی ادارت میں نیاز فتح پوری نمبر ۱ (۱۹۶۳ء)، نیاز فتح پوری نمبر ۲ (۱۹۶۳ء)، تذکروں کا تذکرہ نمبر (۱۹۶۴ء)، جدید شاعری نمبر (۱۹۶۵)، اصناف ادب نمبر (۱۹۶۶)، اصناف شاعری نمبر (۱۹۶۷)، مسائل ادب نمبر (۱۹۶۸)، غالب صدی نمبر (۱۹۶۹ء)، سرسیّد نمبر ۱ (۱۹۷۰)، میر انیس نمبر (۱۹۷۱ء)، سرسیّد نمبر ۲ (۱۹۷۲ء)، مولانا حسرت موہانی نمبر ۱ (۱۹۷۳ء)، مولانا حسرت موہانی نمبر ۲ (۱۹۷۴ء)، ڈاکٹر محمد حسین نمبر (۱۹۷۵)، قائدِ اعظم نمبر (۱۹۷۶ء)، علامہ اقبال نمبر (۱۹۷۷ء)، مولانا محمد علی جوہر نمبر (۱۹۷۸ء)، قمر زمانی نمبر (۱۹۷۹ء)، مسائل زبان نمبر (۱۹۸۰ء)، اُردو افسانہ نمبر (۱۹۸۱ء)، فن تاریخ گوئی نمبر (۱۹۸۲ء)، خطبات محمود نمبر (۱۹۸۲ء)، جشن طلائی نمبر (۱۹۸۳ء)، نیاز صدی نمبر (۱۹۸۴ء)، فن عروض نمبر (۱۹۸۵ء)، مکتوبات نیاز نمبر (۱۹۸۵ء)، تنقید غزل نمبر (۱۹۸۶ء)، غالب بنگاہ نیاز نمبر (۱۹۸۷)، غالب کے خطوط (فروری ۱۹۸۸)، اُردو شاعری کا فنی ارتقاء نمبر (۱۹۸۸ء)، اُردو نثر کا فنی ارتقاء نمبر (۱۹۸۹ء)، اقبال بنگاہ نیاز نمبر (۱۹۹۰ء)، نقد شعر نمبر (۱۹۹۱ء)، غالب کی فارسی غزل (جنوری ۱۹۹۲ء)، غالب اور تصوف (جولائی ۱۹۹۲)، عورت اور فنون لطیفہ نمبر (۱۹۹۲ء)، خدا نمبر (۱۹۹۳ء)، غالب شکن کا پہلا ایڈیشن (اپریل ۱۹۹۴ء) اور مشکلات غالب (اکتوبر ۱۹۹۳ء، جنوری ۱۹۹۴، مئی ۱۹۹۵ء) جیسے ادبی موضوعات پر خصوصی شماروں اور سالناموں کی اشاعت ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی ان موضوعات کی اہمیت سے آگاہی اور ان موضوعات پر اُن کی گرفت ظاہر کرتے

ہیں۔ نصیر الدین ہاشمی نے درست کہا ہے کہ رسالہ ''نگار'' کے سالنامے اپنے تنوع اور خصوصیات کے اعتبار سے بلند مقام کے حامل ہیں۔ معیار کی بلندی، مضامین میں گہرائی اور معلومات آفرینی وغیرہ کے لحاظ سے ان کی بڑی اہمیت ہے۔ ۹۲

''نگارِ پاکستان''، میں نظم و نثر کی ہر صنف سے متعلق مضامین اور مقالے لکھے گئے۔ نثری اصناف میں داستان، ناول، افسانہ، ڈرامہ، انشائیہ، تمثیل، آپ بیتی، خاکہ نگاری، مکتوب نویسی، سفر نامہ اور رپورتاژ، جب کہ نظم میں نعت، رُباعی، مثنوی، مرثیہ، قصیدہ، غزل، گیت، دوہا، واسوخت، ریختی اور شہر آشوب وغیرہ شامل ہیں۔ ڈاکٹر فرمان نے ان اصناف میں سے تقریباً ہر ایک پر نہ صرف خود قلم اُٹھایا، بلکہ پروفیسر وقار عظیم، پروفیسر احتشام حسین، ڈاکٹر محمد حسن، ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر احسن فاروقی، پروفیسر آل احمد سرور، پروفیسر عبد السلام، شمیم احمد، ابراہیم یوسف، ڈاکٹر گیان چند، ڈاکٹر سیّد محمد حسین، پروفیسر نظیر صدیقی، مجنوں گورکھ پوری، ڈاکٹر شوکت سبز واری، ڈاکٹر عبادت بریلوی، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر عبد القیوم، ڈاکٹر سیّد شاہ علی، ڈاکٹر سیّد عبد اللہ، امجد کندیانی اور ڈاکٹر خورشید الاسلام جیسے اہل علم و ادب سے مقالے اور مضامین لکھوا کر شائع کرائے۔ ۹۳ ڈاکٹر فاطمہ حسن کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر فرمان اُردو ادب میں ایسی روشنی ڈال گئے ہیں، جس سے اہل ادب فیض اُٹھاتے رہیں گے۔ ۹۴

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی ادبی و تحقیقی خدمات کی ایک جہت اُن کی نگرانی میں لکھے گئے ایم۔اے اور پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالات بھی ہیں۔ اُن کی نگرانی میں محققین نے تحقیقی کام کر کے پی ایچ۔ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں اور ایم۔اے کی سطح پر بھی متعدد تحقیقی مقالات لکھے گئے۔ ان تحقیقی مقالوں کے موضوعات سے اُردو ادب میں ان کی افادیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر فرمان کی نگرانی میں جامعہ کراچی سے ایم۔اے کے لیے لکھے گئے مقالات میں ''رئیس امروہوی بحیثیت شاعر'' (نگہت سلطانہ، ۱۹۷۵ء)، ''ابن انشاء کی زندگی اور تصانیف'' (محمد سلیم ملک، ۱۹۷۵)، ''سر سیّد کی علمی، ادبی خدمات ان کی تقاریر کی روشنی میں'' (آنسہ نسیم محمود، ۱۹۷۶)، ''مخدوم محی الدین'' (کلیم الدین علی ۱۹۷۶)، ''آگ کا دریا کا فنی جائزہ'' (طاہرہ عبید، ۱۹۷۶)، ''احمد فراز کی شاعری'' (قرۃ العین طاہرہ، ۱۹۷۶)، ''اُردو غزل کی روایت ناصر کاظمی سے پہلے تک'' (ثریا جبیں، ۱۹۷۶)، ''سر سیّد مکاتیب کی روشنی میں'' (شاہدہ تقی، ۱۹۷۶)، ''سیّد محمد جعفری بحیثیت شاعر'' (سیّدہ جہاں رضوی، ۱۹۷۶)، ''احسان دانش، شخصیت اور شاعری'' (منور سلطانہ، ۱۹۷۶)، ''۱۹۷۴ء کے شعری مجموعے'' (شہناز رئیس، ۱۹۷۶)، ''شاعر لکھنوی کے حالات زندگی اور شاعری'' (سطوت مزمل خاں، ۱۹۷۶)، ''غالب لائبریری میں انیسویں صدی کے اُردو رسائل کا ذخیرہ'' (عتیق الرحمن، ۱۹۷۶)، ''سر سیّد کی تعلیمی خدمات خطوط کے آئینے میں'' (۱۹۷۶)، ''محمڈن ایجوکیشنل کے خطبات کا تحقیقی مطالعہ'' (شگفتہ محمد عزیز، ۱۹۷۶)، ''رضیہ بٹ بحیثیت ناول نگار'' (سیّد محمد طاہر حسین، ۱۹۷۶)، ''اقبال بال جبریل کی روشنی میں'' (سیّدہ شیریں پروین، ۱۹۷۷ء)، ''اقبال عظیم، حیات اور فن'' (بدر النساء خان، ۱۹۷۷ء)، ''اُستاد قمر جلالوی، حالات اور شاعری'' (مہربان خان نیازی، ۱۹۷۷ء)، ''نواب محسن الملک اپنی تقاریر کی روشنی میں'' (علی داد، ۱۹۷۷ء)، ''حمید کاشمیری'' (سلمی عزیز، ۱۹۷۷ء)، ''صبا اکبر آبادی'' (ہاشم خلیل انصاری، ۱۹۷۷ء)، ''محشر بدایونی، حالات اور شاعری'' (محمد فاروق، ۱۹۷۷ء)، ''خدیجہ

مستور"(پروین کاظمی،۱۹۷۷ء)،"مہدی حسن خاں آباد، عہد، شاگرد، شاعری"(مسرت وحید،۱۹۷۸ء)،"شبلی مکاتیب کی روشنی میں"(عائشہ حمید،۱۹۷۸)،"ابن انشاء، زندگی اور فن"(یاسمین زہرہ،۱۹۷۸ء)،"سچل سرمست کی زندگی اور اُردو شاعری"(فضل الرحمن،۱۹۷۹ء)اور"سیّد محتشم علی خان حشمت اور اُن کی واسوخت نگاری"(انیس آزاد زبیری،۱۹۸۰ء)وغیرہ شامل ہیں۔ان مقالوں کے موضوعات ڈاکٹر فرمان کی اُردو کی مختلف اصناف ادب سے دل چسپی اور ان موضوعات سے متعلق اُن کی وسیع معلومات کو ظاہر کرتے ہیں۔
ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی نگرانی میں جامعہ کراچی سے پی ایچ۔ڈی کے لیے لکھے گئے مقالوں میں "داستانِ امیر حمزہ کا تہذیبی مطالعہ"(ڈاکٹر نسیم سلطانہ،۱۹۷۴ء)،"سندھ میں اُردو شاعری کا ارتقاء"(ڈاکٹر شاہدہ بیگم،۱۹۷۸ء)،"اُردو کی عملی ترقی میں سر سیّد احمد اور ان کے رفقائے کار کا حصہ"،(ڈاکٹر امتل حمید کوثر،۱۹۸۰ء)،"پروفیسر حمید احمد خان، احوال وآثار"،(ڈاکٹر احسان الحق،۱۹۸۲ء)،"نیاز فتح پوری، احوال آثار"،(ڈاکٹر عقیلہ شاہین،۱۹۸۵ء)،"امتیاز علی تاج: شخصیت اور فن"،(ڈاکٹر محمد سلیم ملک،۱۹۸۹ء)،"اُردو شعراء کے تذکرے، آب حیات کے بعد"،(ڈاکٹر ایس عابد علی،۱۹۹۰ء)،"اُردو صحافت میں طنز و مزاح کا ارتقاء"،(ڈاکٹر ظفر عالم،۱۹۹۲ء)،"اُردو شاعری میں اساطیری عناصر"،(ڈاکٹر ذاکر، ایم،۱۹۹۳ء)،"اُردو کی نعتیہ شاعری میں مولانا احمد رضا خان کی انفرادیت واہمیت"(ڈاکٹر تنظیم الفردوس،۲۰۰۴ء)، جب کہ بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان سے "میرزا یگانہ۔شخصیت اور فن"(ڈاکٹر نجیب جمال،۱۹۸۹ء)،"تدوین کلیات میر تقی میر: دیوان اول تا ششم مع مقدمہ"(ڈاکٹر محمد ساجد خان،۲۰۰۴ء)(زیر نگرانی ڈاکٹر فرمان،ڈاکٹر روبینہ ترین)، اور"جوش کی نظم نگاری اور اُردو شاعری پر اس کے اثرات(تحقیقی و تنقیدی جائزہ)،(ڈاکٹر منصور احمد قریشی،۲۰۰۴ء)،(زیر نگرانی ڈاکٹر فرمان،ڈاکٹر نعمت اللہ حق) شامل ہیں۔ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی نگرانی میں لکھے گئے پی ایچ ڈی کے مقالات کی اس فہرست میں اُردو زبان وادب کی نظم ونثر سے متعلق متنوع قسم کے موضوعات دکھائی دیتے ہیں۔یہ صورت اُن کی نگرانی میں لکھے گئے ایم۔اے کے مقالوں میں بھی نظر آتی ہے۔ڈاکٹر محمد علی صدیقی لکھتے ہیں کہ:"ڈاکٹر فرمان فتح پوری وہ واحد نقاد اور محقق ہیں، جو کلاسیکی اور جدید ادب پر یکساں ماہرانہ نظر رکھتے ہیں۔اُن کے زیر نگرانی لکھے جانے والے تحقیقی مقالوں کے عنوانات پر نظر دوڑائی جائے تو یہ حیران کن حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ کسی خاص دور یا تحریک سے متعلق تحقیقی کاموں میں مہارت کے لیے نہیں جانے جاتے، بلکہ وہ تیرھویں صدی سے بیسویں صدی تک کے ادب پر بڑی گہری نظر رکھتے ہیں۔"۹۵
ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی ادبی خدمات کے پیش نظر اُن کی زندگی ہی میں اُن کی ادبی کاوشوں اور کثیر الجہات خدمات سے متعلق مقالے لکھے گئے۔ ڈاکٹر فرمان کی نقاد، محقق، اقبال شناس اور غالب شناس کی حیثیت سے ایم۔اے کی سطح کے مقالے لکھے گئے۔محمد انور نذیر علوی نے"ڈاکٹر فرمان فتح پوری بحیثیت نقاد"(۱۹۸۷ء)، نورین فردوس نے"ڈاکٹر فرمان فتح پوری بحیثیت محقق"(۱۹۹۰ء)، محمد سہیل سرور نے"ڈاکٹر فرمان فتح پوری بطور اقبال شناس"(۱۹۹۶ء)، سیّدہ فصیح وحید نے"ڈاکٹر فرمان فتح پوری بطور غالب شناس"(۱۹۹۶ء)، حنا ناز نے"ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی علمی وادبی خدمات"(۱۹۹۸ء)اور ارم اجمل ملک نے"ڈاکٹر فرمان فتح پوری بحیثیت نقاد اور محقق"(۱۹۹۹ء) کے موضوع پر ایم۔اے، اور شہزادی اسماء زرین نے"ڈاکٹر فرمان فتح پوری، حیات وخدمات"(۲۰۰۹ء) کے موضوع پر ایم۔ایڈ کے لیے مقالہ تحریر کیا۔غیر

جامعاتی سطح پر ڈاکٹر خلیق انجم کی مرتبہ کتاب ''ڈاکٹر فرمان فتح پوری، شخصیت وادبی خدمات'' (۱۹۹۲ء)، امراؤ طارق کی مرتبہ تین جلدوں پر مشتمل کتاب ''ڈاکٹر فرمان فتح پوری، حیات و خدمات'' (۱۹۹۴ء)، ڈاکٹر طاہر تونسوی کی مرتبہ کتاب ''ڈاکٹر فرمان فتح پوری، احوال و آثار'' (۲۰۰۲ء)، ڈاکٹر سلیم اختر کی مرتبہ کتاب ''ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ایک جہت نما صاحبِ قلم'' (۲۰۰۴ء) اور سیّد محمد اصغر کاظمی کی مرتبہ کتاب ''ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ایک ہمہ جہت صاحبِ قلم'' (۲۰۱۱ء) شائع ہوئی۔ ڈاکٹر فرمان چوں کہ ماہ نامہ ''نگارِ پاکستان''، کراچی کے نائب مدیر اور مدیرِ اعلیٰ بھی رہے، اس لیے ''نگار'' کے حوالے سے ہونے والی تحقیق میں بھی اُن کی ادبی وصحافتی خدمات کو زیر بحث لایا گیا ہے ۔ محمد انور نذیر علوی کے ایم۔فل کے مقالے ''نگارِ پاکستان کی ادبی خدمات (۱۹۶۲ء تا ۱۹۹۲ء)'' (۱۹۹۵ء) میں نگار پاکستان کے حوالے سے ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی خدمات کا مختصر احوال درج ہے۔ ڈاکٹر محمد ممتاز خان کلیانی کے پی ایچ ڈی کے مقالے ''نگار کی ادبی روایات وخدمات، ایک تحقیقی جائزہ'' (۲۰۰۰ء) کے باب پنجم میں ذیلی عنوان ''ڈاکٹر فرمان فتح پوری اور نگار کے مدیر اوّل میں ذہنی مشارکت'' کے تحت جائزہ پیش کیا گیا۔ شہناز پروین کے ایم۔فل اقبالیات کے مقالے ''اقبال شناسی اور ماہنامہ نگار، نگارِ پاکستان، توضیحی و تجزیاتی مطالعہ'' (۲۰۱۱ء) کے دوسرے باب میں ذیلی عنوان ''فرمان فتح پوری اور اقبال'' کے تحت ڈاکٹر فرمان کی اقبال شناسی کا اجمالی جائزہ لیا گیا۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی کثیر الجہات ادبی خدمات کا اعتراف اُردو زبان کے نام ور مشاہیر ادب نے اپنی تحریروں اور تصانیف میں کیا ہے۔ ڈاکٹر فرمان کی شخصیت اور ادبی خدمات کے مختلف پہلوؤں پر اپنے مضامین اور مقالوں کے ذریعے روشنی ڈالنے والوں میں ڈاکٹر عرش صدیقی، پروفیسر عاصی کرنالی، ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر اے۔ بی اشرف، ڈاکٹر نجیب جمال، ڈاکٹر عقیلہ شاہین، پروفیسر محمد اسلم انصاری، ڈاکٹر صابر کلوری، ڈاکٹر ظفر عالم ظفری، ڈاکٹر محمد امین، ڈاکٹر سیّد معراج نیر، جمیل الدین عالی، ڈاکٹر آغا سہیل، ڈاکٹر شمیم حیدر ترمذی، ڈاکٹر معین الدین عقیل، ڈاکٹر نعمت الحق، ڈاکٹر روبینہ ترین، ڈاکٹر طاہر تونسوی، مرزا ادیب، رشید حسن خاں، مالک رام، نورالحسن جعفری، ڈاکٹر مظفر حنفی، ڈاکٹر رحیم رضا، ڈاکٹر کمال احمد صدیقی، ابوالفیض سحر، پروفیسر سحر انصاری، احمد حسین صدیقی، پروفیسر کرار حسین، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر فاروق احمد، ڈاکٹر انوار احمد، ڈاکٹر محمد رضا کاظمی، ڈاکٹر سیّد جاوید اقبال، احمد ندیم قاسمی، ڈاکٹر خلیق انجم، پروفیسر نظیر صدیقی، ڈاکٹر محمد علی صدیقی، ڈاکٹر انور سدید، ڈاکٹر عرش صدیقی، ڈاکٹر نعمت الحق، پروفیسر عقیل دانش، ڈاکٹر مسعود حسین خاں، مرزا نسیم بیگ، ڈاکٹر نجم الاسلام، ڈاکٹر انصار اللہ نظر، پروفیسر آفاق صدیقی، پروفیسر وقار عظیم، ڈاکٹر سیّد معین الرحمن، ڈاکٹر رؤف پاریکھ، ڈاکٹر ہلال نقوی، ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ، ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ، سیّد محمد اصغر کاظمی اور پروفیسر عتیق احمد جیسے اہل علم، نقاد اور محققین شامل ہیں۔ متعدد دانش وروں نے اپنی تصانیف میں ڈاکٹر فرمان کی علمی وادبی خدمات کا حوالہ دیا ہے اور اُن کی تصانیف وتالیفات پر آراء دی ہیں۔ ڈاکٹر فرمان کی تحقیق و تنقید کے بارے میں احمد ندیم قاسمی (۱۹۱۶ء۔۲۰۰۶ء) کی تجزیاتی رائے یوں ہے:

"بعض نامی گرامی نقادوں اور محققوں کی بعض تصانیف ایسی بھی ہوتی ہیں کہ ان کے مطالعے سے افسوس ہوتا ہے اور لگتا ہے کہ جیسے پوری کتاب ایک دن یا ایک رات میں بیٹھ کر لکھ لی گئی۔ فرمان صاحب کے ہاں اس طرح کی سہل نگاری کا دور دور تک کوئی نشان نہیں ملتا۔ اُن کا ایک

ایک لفظ اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ اسے انتہائی سوجھ بوجھ کے ساتھ سپرد قلم کیا گیا۔ پھر ہمارے بیش تر نقاد حضرات اس مرض میں بھی مبتلا ہیں کہ جو کچھ ان سے کچھ پہلے کے معروف ناقدین نے لکھا اسے اپنے الفاظ میں دہرا دیں۔ اس سے پہلے کی تنقیدوں میں جن شعرا و ادباء کا ذکر آیا، انہی کا تذکرہ کریں اور انہی کے مطالعے کی تکرار کردیں۔ یوں یہ تاثر عام ہے کہ ہمارے نقاد (الا ماشاءاللہ) ذاتی مطالعے سے اپنا ذاتی تاثر حاصل کرنے اور اپنی ذاتی رائے مرتب کرنے کے اہل نہیں رہے یا وہ ماضی کے نقادوں کے فیصلوں سے انحراف کا حوصلہ نہیں کرپاتے۔ ان کے برعکس فرمان صاحب کی تنقیدوں اور تحقیقوں میں مفاہیم کی جو گہرائیاں ہیں وہ اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اُن کے ہاں جو کچھ بھی ہے وہ اُن کے ذاتی مطالعہ کے ثمرات ہیں اور اُنھوں نے شعر و ادب کو اپنی فنی کسوٹیوں پر کساہے۔"۹۶

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی علمی وادبی خدمات کے اعتراف میں ۱۹۸۵ء میں صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان نے اُنھیں "ستارۂ امتیاز" کے اعزاز سے نوازا۔ اُنھوں نے بھرپور علمی وادبی زندگی بسر کی۔ امریکہ، کینیڈا، برطانیہ، اٹلی، جرمنی، فرانس، سعودی عرب، چین، مسقط اور ہندوستان کے علمی وادبی دورے کیے اور اپنے ملک پاکستان کی نمائندگی کی۔ اُنھیں ۱۹۷۲ء میں داؤد ادبی ایوارڈ ملا۔۹۷ ڈاکٹر فرمان فتح پوری بھرپور علمی وادبی زندگی بسر کرنے کے بعد ۳؍ اگست ۲۰۱۳ بمطابق ۲۴؍ رمضان المبارک بروز ہفتہ، اس دنیائے فانی سے رُخصت ہوئے۔ اُن کی نماز جنازہ ۴؍ اگست ۲۰۱۳ بروز اتوار بعد نماز ظہر جامع مسجد خلفائے راشدین، ۱۳۔ ڈی، گلشن اقبال کراچی میں ادا کی گئی اور تدفین جامعہ کراچی کے قبرستان میں ہوئی۔ ۹۸ اُن کی وفات کی خبریں ملک کے اُردو اور انگریزی اخباروں میں شائع ہوئیں۔ ۶؍ اگست ۲۰۱۳ء کو تحریک نفاذ اُردو، کراچی کے زیر اہتمام "شام اُردو" میں اُنھیں خراج تحسین پیش کیا گیا اور ۱۷؍ اگست ۲۰۱۳ء کو انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی نے ڈاکٹر فرمان کی یاد میں ایک اجلاس کا اہتمام کیا، جس کی صدارت آفتاب احمد نے کی۔ اجلاس میں اظہار خیال کرنے والوں میں ڈاکٹر محمد قیصر، شیخ الجامعہ، جامعہ کراچی، ڈاکٹر ظفر اقبال، شیخ الجامعہ، وفاقی اُردو جامعہ، کراچی، ڈاکٹر سیّد جاوید اقبال، پروفیسر انوار احمد زئی، ڈاکٹر فاطمہ حسن، ڈاکٹر عظمیٰ فرمان، ڈاکٹر شاداب احسانی، ڈاکٹر منظر جاوید اور ڈاکٹر فرمان کے صاحب زادے سیّد ابرار علی تھے۔

ڈاکٹر فرمان کے صاحب زادے سیّد ابرار علی کی ادارت میں "نگارِ پاکستان" کا جولائی۔ اکتوبر ۲۰۱۳ء میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری نمبر جاری ہوا۔ ادارۂ فروغ قومی زبان (مقتدرہ قومی زبان)، اسلام آباد کے ادبی جریدے ماہ نامہ "اخبارِ اُردو" کے ستمبر ۲۰۱۳ء کے شمارے میں ڈاکٹر فرمان کو اُن کی ادبی خدمات پر خراجِ تحسین پیش کیا گیا۔ اس شمارے میں اُن کے دو مضامین بہ عنوان "قومی زبان اور دیگر پاکستانی زبانیں" اور "الفاظ کے معنی کیسے بتائیں؟" شامل کیے گئے۔ اس کے علاوہ پروفیسر سحر انصاری کا "ڈاکٹر فرمان فتح پوری، کچھ یادیں، کچھ باتیں"، احمد ندیم قاسمی کا "ڈاکٹر فرمان فتح پوری، بڑا نقاد، بڑا انسان"، ڈاکٹر اسلم فرخی کا "فرمان امروز"، ادا جعفری کا "ڈاکٹر فرمان فتح پوری۔ ایک غیر متنازعہ شخصیت"، شباہت علی خان کا "نصف صدی کا قصہ"، اور ڈاکٹر ہلال نقوی کا "انیس شناسی اور فرمان فتح پوری" کے عنوان سے مضمون شامل اشاعت ہوا۔ انجمن ترقی اُردو پاکستان، کراچی کے ادبی جریدے "قومی زبان" کے ستمبر ۲۰۱۳ء کے شمارے میں گوشۂ فرمان مختص کیا گیا۔ اس شمارے میں ڈاکٹر معین الدین عقیل کا مضمون بہ عنوان "ڈاکٹر فرمان فتح پوری۔ چند ان کہی باتیں"، پروفیسر انوار احمد زئی کا "فرمان۔ نیاز و

نگار''، ڈاکٹر جاوید منظر کا ''اُردو ادب و صحافت پر علامہ نیاز فتح پوری اور نگار پاکستان کے اثرات''، ڈاکٹر قرۃ العین طاہرہ کا ''ڈاکٹر فرمان فتح پوری۔ایک تاثر''، غلام شبیر رانا کا ''ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی یاد میں ''اور نقاش کاظمی کا ''ڈاکٹر فرمان فتح پوری۔ایک باغ و بہار اُستادِ ادب'' شائع ہوا۔

تنویر پھولؔ کے قطعاتِ تاریخ وفاتِ ڈاکٹر فرمان فتح پوری ملاحظہ ہوں:

(تاریخ ہجری)

اُن کی تنویرِ خرد، نورِ شبستانِ ادب
گل ہوئی اے پھولؔ! اُن کی آہ! شمعِ زندگی
محفلِ اُردو میں بے شک تھے وہ دانش ور عظیم
''ڈاکٹر فرمان، والا جاہ، دادِ عبقری''
۱۴۳۴ہجری

(تاریخ عیسوی)

جانبِ جنت گئے اے پھولؔ! اِک اعلیٰ ادیب
چرخِ اُردو پر ہے اُن کا نام مثلِ مہر و مہہ
بالیقیں تھی ذات اُن کی رونقِ اُردو ادب
''فتح پوری ڈاکٹر فرماں، وفورِ زیب'' کہہ
۲۰۱۳عیسوی [۹۹]

حوالے،حواشی:

۱۔ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ''بلا جواز (کچھ اپنے بارے میں)''، لاہور، الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص:۳۸۔
۲۔ایضاً، ص:۳۸۔
۳۔ایضاً، ص:۳۹۔
۴۔ایضاً، ص:۳۹۔
۵۔ایضاً، ص:۶۳۔
۶۔ایضاً، ص:۴۰۔
۷۔ایضاً، ص:۱۹۔
۸۔ایضاً، ص:۲۵۔

۹۔ایضاً،ص:۴۵،۴۴۔

۱۰۔ایضاً،ص:۴۴۔

۱۱۔ایضاً،ص:۳۷۔

۱۲۔ڈاکٹر طاہر تونسوی: مرتبہ،''ڈاکٹر فرمان فتح پوری،احوال وآثار''،لاہور،الو قار پبلی کیشنز،۲۰۰۷ء،،ص:۲۷۱۔

۱۳۔ڈاکٹر فرمان فتح پوری:''ادب نما''،لاہور،الاعجاز پبلی کیشنز،۲۰۰۷ء،ص:۳۷۔

۱۴۔ایضاً،ص:۳۷

۱۵۔ڈاکٹر طاہر تونسوی: مرتبہ،''ڈاکٹر فرمان فتح پوری،احوال وآثار''،لاہور،الو قار پبلی کیشنز،۲۰۰۷ء،ص:۱۵۔

۱۶۔سیّد محمد اصغر کاظمی:''ڈاکٹر فرمان فتح پوری ایک ہمہ جہت صاحب قلم''،لاہور،الو قار پبلی کیشنز،۲۰۱۲ء،ص:۱۰۔

۱۷۔ڈاکٹر سلیم اختر،''ڈاکٹر فرمان فتح پوری،ایک جہت نما صاحبِ قلم''،لاہور،الو قار پبلی کیشنز،۲۰۰۴ء،ص:۱۸۱۔

۱۸۔احمد حسین صدیقی،''دبستانوں کا دبستان کراچی''،جلد اوّل،محمد حسین اکیڈمی،کراچی،۲۰۰۳ء،ص:۳۴۰۔

۱۹۔''بلاجواز(کچھ اپنے بارے میں)''،ص:۸۰۔

۲۰۔''ادب نما''،ص:۱۳۲۔

۲۱۔''بلاجواز(کچھ اپنے بارے میں)''،ص:۶۵۔

۲۲۔ایضاً،ص:۱۳۳۔

۲۳۔ایضاً،ص:۱۳۲۔

۲۴۔ایضاً،ص:۶۶۔

۲۵۔ایضاً،ص:۶۷۔

۲۶۔ایضاً،ص:۸۵۔

۲۷۔ایضاً،ص:۶۸۔

۲۸۔ایضاً،ص:۱۳۶۔

۲۹۔''ادب نما''،لاہور،ص:۲۔۱۔

۳۰۔''بلاجواز(کچھ اپنے بارے میں)''،ص:۸۵۔

۳۱۔ایضاً،ص:۶۹۔

۳۲۔ایضاً،ص:۷۰۔

۳۳۔ایضاً،ص:۷۱۔

۳۴۔نگار پاکستان،کراچی،فروری۔مارچ،۲۰۱۳ء،ص:۲۷۔

۳۵۔ڈاکٹر فرمان فتح پوری،''بلاجواز(کچھ اپنے بارے میں)''،لاہور،الو قار پبلی کیشنز،۲۰۱۱ء،ص:۴۸۔

۳۶۔''ڈاکٹر فرمان فتح پوری ایک ہمہ جہت صاحب قلم''،ص:۶۵۵۔

۳۷۔ بلاجواز، ص: ۱۳۳۔

۳۸۔ ایضاً، ص: ۱۳۷۔

۳۹۔ ایضاً، ص: ۱۳۸۔

۴۰۔ ''ادب نما''، لاہور، ص: ۵۸۔

۴۱۔ ''بلاجواز (کچھ اپنے بارے میں)''، ص: ۱۳۹۔

۴۲۔ ایضاً، ص: ۴۷۔

۴۳۔ ایضاً، ص: ۱۵۵۔

۴۴۔ ایضاً، ص: ۱۳۹۔

۴۵۔ ایضاً، ص: ۱۵۶،۱۵۵۔

۴۶۔ ایضاً، ص: ۱۴۰۔

۴۷۔ ایضاً، ص: ۱۶۱۔

۴۸۔ ایضاً، ص: ۱۴۵۔

۴۹۔ ایضاً، ص ۱۴۶۔

۵۰۔ ایضاً، ص: ۱۴۶۔

۵۱۔ ایضاً، ص: ۷۷۔

۵۲۔ ایضاً، ص: ۷۹۔

۵۳۔ ایضاً، ص: ۱۴۹۔

۵۴۔ ایضاً، ص: ۱۴۸۔

۵۵۔ ایضاً، ص: ۱۵۱،۱۵۰۔

۵۶۔ ایضاً، ص: ۱۵۲۔

۵۷۔ ایضاً، ص: ۱۵۴۔

۵۸۔ ایضاً، ص: ۱۵۵۔

۵۹۔۔ ایضاً، ص: ۱۵۱۔

۶۰۔ نگار پاکستان، کراچی، فروری۔مارچ، ۲۰۱۳ء، ص: ۲۳۔

۶۱۔ ''ادب نما''، ص: ۵۷۔

۶۲۔ ''بلاجواز''، ص: ۴۴۔

۶۳۔ ایضاً، ص: ۴۸۔

۶۴۔ ایضاً، ص: ۵۰۔

۶۵۔ ایضاً، ص: ۴۴۔

۶۶۔ ''ادب نما''، ص: ۵۷۔

۶۷۔ شباہت علی خان، ''نصف صدی کا قصہ، طویل خط کا ایک حصہ''، مشمولہ ''ڈاکٹر فرمان فتح پوری ایک ہمہ جہت صاحب قلم''، ص: ۴۷۔

۶۸۔ ڈاکٹر اسلم فرخی، ''فرمانِ امروز، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ایک تاثر''، مشمولہ ''ڈاکٹر فرمان فتح پوری ایک ہمہ جہت صاحب قلم''، ص: ۶۴۔

۶۹۔ ''بلا جواز''، ص: ۵۷۔ ۵۴۔

۷۰۔ ایضاً، ص: ۸۷۔ ۸۸۔

۷۱۔ نگار لکھنؤ، جون ۱۹۵۱ء، ص: ۳۵۔

۷۲۔ پروفیسر سیّد معین الرحمن: ''ڈاکٹر فرمان فتح پوری اور غالب شناسی'' مشمولہ ''ڈاکٹر فرمان فتح پوری، بطور غالب شناس''، سیّدہ افصح وحید، لاہور، ابلاغ پبلشرز، ۲۰۰۲ء، ص: ۲۰۴۔

۷۳۔ محمد انور نذیر علوی: ''نگار پاکستان کی ادبی خدمات ۱۹۶۲۔ ۱۹۹۲ء''، مقالہ برائے ایم فل، اُردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد ۱۹۹۵ء، ص: ۲۱۴۔

۷۴۔ ایضاً، ص: ۲۰۳۔

۷۵۔ ''ادب نما''، ص: ۹۸۔

۷۶۔ رشید حسن خاں: ''ڈاکٹر فرمان فتح پوری۔ چند تاثرات'' مشمولہ ''ڈاکٹر فرمان فتح پوری، شخصیت اور ادبی خدمات'' مرتبہ، ڈاکٹر خلیق انجم، نئی دہلی، مکتبۂ جامعہ لمیٹڈ، جنوری ۱۹۹۲ء، ص: ۱۸۔

۷۷۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ: ''فرمان فتح پوری، ادا شناس اور رمز آشنائے اُردو'' مشمولہ، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، حیات و خدمات، جلد سوم، مرتبہ امراؤ طارق، کراچی، فتح پور ایجوکیشنل سوسائٹی، ۱۹۹۴ء ص: ۱۲۱۔ ۱۲۰۔

۷۸۔ نگار پاکستان، کراچی، ڈاکٹر فرمان فتح پوری نمبر، جولائی۔ اکتوبر ۲۰۱۳ء، ص: ۳۱۔

۷۹۔ ''داستان شناسی اور ڈاکٹر فرمان فتح پوری''، مشمولہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، احوال و آثار، مرتبہ ڈاکٹر طاہر تونسوی، ص: ۵۶۔

۸۰۔ ''ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ایک جہت نما صاحب قلم''، ص: ۱۲۵۔

۸۱۔ ڈاکٹر عطش درانی: ''اصول ادبی تحقیق''، لاہور، نذیر سنز ایجوکیشنل پبلشرز، ۲۰۱۱ء، ص: ۹۴۔

۸۲۔ ''ڈاکٹر فرمان فتح پوری ایک ہمہ جہت صاحب قلم''، ص: ۱۷۸۔

۸۳۔ ایضاً، ص: ۱۵۹۔

۸۴۔ ڈاکٹر طیبہ خاتون: ''اُردو نثر کی داستان''، میر پور آزاد کشمیر، ارسلان بکس، ۲۰۰۳ء، ص: ۲۲۳۔ ۲۲۴۔

۸۵۔ ڈاکٹر نجیب جمال: ''کتاب کے بعد''، لاہور، اظہار سنز، ۱۹۹۴ء، ص: ۹۔

۸۶۔ ''ڈاکٹر فرمان فتح پوری ایک ہمہ جہت صاحب قلم''، ص: ۲۷۔

۸۷۔ ایضاً، ص: ۱۱۸۔

۸۸۔ ڈاکٹر نجیب جمال: ''کتاب سے پہلے''، لاہور، اظہار سنز، ۱۹۹۴ء، ص: ۳

۸۹۔ ڈاکٹر رعنا اقبال خان، ''سورج کی تدفین'' مشمولہ، نگار، فرمان نمبر، جولائی۔ اکتوبر ۲۰۱۳ء، ص: ۴۶۔

۹۰۔ مبین مرزا: ''مقصدیت اور محبت، فرمان فتح پوری''، مشمولہ، نگار، فرمان نمبر، جولائی۔اکتوبر ۲۰۱۳ء، ص:۵۹۔

۹۱۔ نگار پاکستان، ڈاکٹر فرمان فتح پوری نمبر، (جولائی تا اکتوبر ۲۰۱۳ء)، کراچی، ص:۹۰

۹۲۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری: ''نصف الملاقات، مشاہیر کے خطوط'' ملتان، بیکن بکس، ۲۰۰۵ء، ص:۳۴۷۔

۹۳۔ ڈاکٹر ظفر عالم ظفری: ''نگار شناس، ڈاکٹر فرمان فتح پوری''، مشمولہ ''ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ایک ہمہ جہت صاحب قلم''، ص:۶۱۷۔

۹۴۔ نگار پاکستان، ڈاکٹر فرمان فتح پوری نمبر، ص:۹۰

۹۵۔ ڈاکٹر محمد علی صدیقی: 'ڈاکٹر فرمان فتح پوری، منفرد نقادو محقق''، مشمولہ '''ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ایک ہمہ جہت صاحب قلم''، ص:۲۲۹۔۲۲۸۔

۹۶۔ اخبار اُردو، (ستمبر ۲۰۱۳ء)، اسلام آباد، ص:۱۵۔

۹۷۔ اُردو جامع انسائیکلوپیڈیا، جلد دوم، (۱۹۸۸ء)، اشاعت اوّل، شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیوٹ لمیٹڈ)، لاہور، ص:۱۰۷۳

۹۸۔ نگار پاکستان، ڈاکٹر فرمان فتح پوری نمبر، ص:۱۷۔

۹۹۔ ایضاً، ص:۸۵

References

1. Dr. Farman Fathpuri, "Unjustified (Something about yourself)", Lahore, Al-Waqar Publications, 2011, p: 38.
2. Ibid, p: 38.
3. Ibid, p: 39.
4. Ibid, p:39.
5. Ibid, p: 63.
6. Ibid, p: 40.
7. Ibid, p:19.
8. Ibid, p: 25.
9. Ibid, p: 45, 44.
10. Ibid, p: 44.
11. Ibid, p: 37.
12. Dr. Tahir Tunsvi: Martaba, "Dr. Farman Fatehpuri, Ahawal wa Athar", Lahore, Al-Waqar Publications, 2007, p.: 271.
13. Dr. Farman Fathpuri: "Adab-Nama", Lahore, Al-Ijaz Publications, 2007, p: 37.
14. Ibid, p: 37
15. Dr. Tahir Tunsvi: Martaba, "Dr. Farman Fatehpuri, Ahwaal and Athar", Lahore, Al-Waqar Publications, 2007, p: 15.
16. Syed Muhammad Asghar Kazmi: "Dr. Farman Fatehpuri Ek Hamma Jahat Sahib Sahib Qalam", Lahore, Al-Waqar Publications, 2012, p: 10.
17. Dr. Salim Akhtar, "Dr. Farman Fatehpuri, a one-dimensional penman", Lahore, Al-Waqar Publications, 2004, p. 181.
18. Ahmad Hussain Siddiqui, "Dabastanon Ka Dabestan Karachi", Volume I, Muhammad Hussain Academy, Karachi, 2003, p: 340.
19. "Unjustified (something about myself)", p.: 80.
20. "Literature", p.: 132.
21. "Unjustified (something about myself)", p. 65.
22. Ibid, p: 133.
23. Ibid, p: 132.
24. Ibid, p:66.

25. Ibid, p: 67.
26. Ibid, p: 85.
27. Ibid, p: 68.
28. Ibid, p: 136.
29. "Literature", Lahore, p: 2.1.
30. "Unjustified (something about myself)", p.: 85.
31. Ibid, p: 69.
32. Ibid, p: 70.
33. Ibid, p: 71.
34. Nigar Pakistan, Karachi, February-March, 2013, p: 27.
35. Dr. Farman Fathpuri, "Unjustified (Something about yourself)", Lahore, Al-Waqar Publications, 2011, p: 48.
36. "Dr. Farman Fathpuri is an all-rounder of the pen", p. 655.
37. Without justification, p.: 133.
38. Ibid, p: 137.
39. Ibid, p.: 138.
40. "Literature", Lahore, p: 58.
41. "Unjustified (something about yourself)", p.: 139.
42. Ibid, p: 74.
43. Ibid, p: 155.
44. Ibid, p: 139.
45. Ibid, p: 155, 156.
46. Ibid, p: 140.
47. Ibid, p: 161.
48. Ibid, p: 145.
49. Ibid, p. 146.
50 Ibid, p: 146.
51. Ibid, p: 77.
52. Ibid, p: 79.
53. Ibid, p: 149.
54. Ibid, p: 148.
55. Ibid, p: 150, 151.
56. Ibid, p: 152.
57. Ibid, p: 154.
58. Ibid, p: 155.
59. Ibid, p: 151.
60. Nagar Pakistan, Karachi, February-March, 2013, p: 23.
61. "Literature", p.: 57.
62. "Unjustified", p.: 44.
63. Ibid, p: 48.
64. Ibid, p.: 50.
65. Ibid, p: 44.
66. "Literature": P.: 57.
67. Shabahat Ali Khan, "A story of half a century, a part of a long letter", containing "Dr. Farman Fatehpuri Ek Hamma Jahat Sahib Qalam", p: 74.
68. Dr. Aslam Farrokhi, "Farman-e-Imrooz, Dr. Farman Fatehpuri, an impression", including "Dr. Farman Fatehpuri is an all-rounder of the pen", p.64.
69. "Unjustified", pp. 57-54.
70. Ibid, p: 87-88.

71. Nigar Lucknow, June 1951, p: 35.
72. Professor Syed Moinur Rahman: "Dr. Farman Fatehpuri and Ghalib Knowledge" Contents "Dr. Farman Fatehpuri, as Ghalib Knowledge", Syed Afsah Waheed, Lahore, Ablag Publishers, 2002, p. 204.
73. Muhammad Anwar Nazir Alvi: "The Literary Services of Nigar Pakistan 1962-1992", Thesis for MPhil, Urdu, Allama Iqbal Open University, Islamabad 1955, p: 214.
74. Ibid, p: 203.
75. "Literature", p.: 98.
76. Rashid Hasan Khan: "Dr. Farman Fatehpuri. Few impressions" Contents "Dr. Farman Fatehpuri, Personality and Literary Services" Martaba, Dr. Khaliq Anjum, New Delhi, School of Jamia Limited, January 1992, p. 18.
77. Dr. Gopichand Narang: "Farman Fatehpuri, Familiar with Urdu" Contents, Dr. Farman Fatehpuri, Life and Services, Volume III, Patt Amar and Tariq, Kirachi, Fatehpur Educational City, 1994. 121. 120.
78. Nagar Pakistan, Karachi, Dr. Farman Fatehpuri No., July-October 2013, p.31.
79. "Storytelling and Dr. Farman Fatehpuri", containing Dr. Farman Fatehpuri, Akhwal and Artifacts, by Dr. Tahir Tunsvi, p. 56.
80. "Dr. Farman Fathpuri, a one-dimensional penman", p: 125.
81. Dr. Attish Durrani: "Principles of Literary Research", Lahore, Nazir Sons Educational Publishers, 2011, p: 94.
82. "Dr. Farman Fathpuri is an all-rounder of the pen", p.: 178.
83. Ibid, p: 159.
84. Dr. Tayyaba Khatun: "Urdu Prose Story", Mirpur Azad Kashmir, Arslan Books, 2003, pp: 223-224.
85. Dr. Najeeb Jamal: "After the Book", Lahore, Izhar Sons, 1994, p: 9.
86. "Dr. Farman Fatehpuri is an all-rounder of the pen", p.: 27.
87. Ibid, p: 118.
88. Dr. Najeeb Jamal: "Before the book", Lahore, Azhar Sons, 1994, p: 3
89. Dr. Rana Iqbal Khan, "Burial of the Sun", Nigar, Farman No., July-October 2013, p: 46.
90. Mubeen Mirza: "Purpose and Love, Farman Fatehpuri", Mushmulah, Nigar, Farman No., July-October 2013, p: 59.
91. Nigar Pakistan, Dr. Farman Fateh Puri No., (July to October 2013), Karachi, p: 90
92. Dr. Farman Fathpuri: "Nasif al-Malaqat, Letters of the Famous" Multan, Beacon Books, 2005, p. 347.
93. Dr. Zafar Alam Zafari: "Nigerian scholar, Dr. Farman Fatehpuri", containing "Dr. Farman Fatehpuri, an all-round writer", p: 617.
94. Nigar Pakistan, Dr. Farman Fatehpuri No., p.90
95. Dr. Muhammad Ali Siddiqui: "Dr. Farman Fatehpuri, unique critic and researcher" included ""Dr. Farman Fatehpuri, an all-rounder of the pen", pp. 229-228.
96. Urdu newspaper, (September 2013), Islamabad, p: 15.
97. Urdu Jama Encyclopaedia, Volume II, (1988), First Edition, Sheikh Ghulam Ali & Sons (Pvt. Ltd.), Lahore, p: 1073
98. Nagar Pakistan, Dr. Farman Fatehpuri No., p:17.
99. Ibid, p: 85